جلد : 13 | وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ (القران) | محرم : 1441ھ
شمارہ : 09 | اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کیلئے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے کہ سوچے، سمجھے (پ سورۃ القمر) | ستمبر : 2019ء

ISSN : 2305-6231

ماھنامہ

# حکمتِ بالغہ

جھنگ

مدیر مسئول : انجینئر مختار فاروقی

مشاورت
- ڈاکٹر محمد سعد صدیقی
- حافظ مختار احمد گوندل
- پروفیسر خلیل الرحمٰن
- محمد فیاض عادل فاروقی

مدیر معاون و نگران طباعت : مفتی عطاء الرحمٰن
تزئین و گرافکس : ثاقب نذر

قانونی مشاورت
محمد سلیم بٹ ایڈووکیٹ
چودھری خالد اشیر ایڈووکیٹ

| اہل ثروت حضرات سے تاحیات زرِتعاون بیس ہزار روپے یکمشت | سالانہ زرتعاون بشمول خصوصی اشاعت اندورنِ ملک 800 روپے | معمول کا شمارہ 50 روپے |
|---|---|---|

ترسیل زر بنام : انجمن خدام القرآن (رجسٹرڈ) جھنگ

قرآن اکیڈمی جھنگ
لالہ زار کالونی نمبر 2، ٹوبہ روڈ جھنگ صدر
پاکستان پوسٹ کوڈ 35200
047-7630861-7630863

Web site:
www.hikmatbaalgha.com
www.hamditabligh.net
Email: hikmatbaalgha@yahoo.com

پبلشر : انجینئر مختار فاروقی
طابع : محمد فیاض، مطبع : سلطان باہو پریس فوارہ چوک جھنگ صدر

اَلْکَلِمَۃُ الْحِکْمَۃُ ضَالَّۃُ الْمُؤْمِنِ فَحَیْثُ وَجَدَ ھَا فَھُوَ اَحَقُّ بِھَا(ترمذی)

حکمت کی بات بندۂ مومن کی گم شدہ میراث ہوتی ہے جہاں کہیں بھی وہ اس کو پائے وہی اس کا حقدار ہے

# مشمولات


| | | | |
|---|---|---|---|
| قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات | 1 | | 3 |
| بارگاہِ نبوی ﷺ میں چند لمحات | 2 | | 5 |
| حرفِ آرزو: تاریخ انسانی کا تاریک ترین دور | 3 | انجینئر مختار فاروقی | 6 |
| آہ! (مقبوضہ) حیدرآباد (دکن) | 4 | انجینئر مختار فاروقی | 15 |
| حکمتِ اقبال پر ایک عمومی نظر (8) | 5 | ڈاکٹر محمد رفیع الدین | 21 |
| کیا.....حجاب صنفِ نازک کے لیے وبال ہے؟ | 6 | عبدالرشید طلحہ نعمانی | 31 |
| خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ | 7 | پروفیسر مہر غلام سرور | 36 |
| ڈارون کا نظریۂ ارتقاء: ایک خطرناک دھوکہ(1) | 8 | ڈاکٹر محمد سرشار خان | 45 |
| آزادئ کشمیر کا خواب پورا ہو کر رہے گا..... | 9 | محمد منظور انور | 56 |
| تبصرہ و تعارف کتب | 10 | | 63 |


ماہنامہ حکمت بالغہ میں قلمی تعاون کرنے والے حضرات کے مضامین معلومات کے تبادلے اور وسیع تر انداز میں خیر کے حصول اور شر سے اجتناب کے لیے چھاپے جاتے ہیں اور ادارے کا مضمون نگار حضرات سے تمام جزئیات میں اتفاق ضروری نہیں۔

یہ رسالہ ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو حوالہ ڈاک کر دیا جاتا ہے۔ نہ ملنے کی صورت میں 10 تاریخ تک دفتر رابطہ فرمائیں 10 تاریخ کے بعد رسالہ ارسال نہیں کیا جائے گا (ادارہ)

# قرآن مجید

کے ساتھ

# چند لمحات

(02) سورۃ البقرۃ

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

(آیات 61-62)

وَ اِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَکُمْ

اور (اے بنی اسرائیل!) جب ہم نے تم سے عہد (کر) لیا

وَ رَفَعْنَا فَوْقَکُمُ الطُّوْرَ

اور کوہِ طور کو تم پر اُٹھا کھڑا کیا

خُذُوْا مَآ اٰتَیْنٰکُمْ بِقُوَّۃٍ

(اور حکم دیا) کہ

جو کتاب ہم نے تم کو دی ہے اس کو زور سے پکڑے رہو

وَّ اذْکُرُوْا مَا فِیْہِ

اور جو اس میں (لکھا) ہے اسے یاد رکھو

لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾

تا کہ (عذاب سے) محفوظ رہو

ثُمَّ تَوَلَّيۡتُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ

تو تم اس کے بعد (عہد سے) پھر گئے

فَلَوۡلَا فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ وَ رَحۡمَتُهٗ

اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی مہربانی نہ ہوتی

لَكُنۡتُمۡ مِّنَ الۡخٰسِرِيۡنَ ﴿۶۴﴾

تو تم خسارے میں پڑ گئے ہوتے

وَلَقَدۡ عَلِمۡتُمُ الَّذِيۡنَ اعۡتَدَوۡا مِنۡكُمۡ فِى السَّبۡتِ

اور تم ان لوگوں کو خوب جانتے ہو جو تم میں سے ہفتے کے دن

(مچھلی کا شکار کرنے) میں حد سے تجاوز کر گئے تھے

فَقُلۡنَا لَهُمۡ كُوۡنُوۡا قِرَدَةً خٰسِئِيۡنَ ﴿۶۵﴾

تو ہم نے ان سے کہا کہ ذلیل و خوار بندر ہو جاؤ

فَجَعَلۡنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيۡنَ يَدَيۡهَا وَ مَا خَلۡفَهَا

پھر ہم نے بنا دیا اس قصے کو اس وقت کے لوگوں کے لیے

اور ان کے بعد آنے والے لوگوں کے لیے عبرت

وَ مَوۡعِظَةً لِّلۡمُتَّقِيۡنَ ﴿۶۶﴾

اور پرہیزگاروں کے لیے نصیحت

صَدَقَ اللّٰهُ الۡعَظِيۡمَ

قارئین کرام! قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث مبارکہ آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات و احادیث درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

# قَالَ النَّبِیُّ ﷺ

## بارگاہِ نبوی ﷺ میں چند لمحات

**1** رَحِمَ اللّٰہُ عَبْدًا

اللہ تعالیٰ رحم کرے ایسے بندے پر

سَمْحًا اِذَا بَاعَ، سَمْحًا اِذَا اشْتَرٰی،

جو فراخ دل ہوتا ہے جب بیچتا ہے، فراخ دل ہوتا ہے جب خریدتا ہے،

سَمْحًا اِذَا قَضٰی، سَمْحًا اِذَا اقْتَضٰی

فراخ دل ہوتا ہے جب کسی کا حق ادا کرتا ہے

اور فراخ دل ہوتا ہے جب اپنے حق کا مطالبہ کرتا ہے

(ابن ماجه، عن جابر رضی اللہ عنہ)

**2** رَحِمَ اللّٰہُ مَنْ حَفِظَ لِسَانَهٗ

اللہ تعالیٰ رحم کرے اُس شخص پر جس نے اپنی زبان کی حفاظت کی

وَ عَرَفَ زَمَانَهٗ وَاسْتَقَامَتْ طَرِیْقَتُهٗ

اور اپنے زمانے (کے تقاضوں) کو پہچانا

اور راست روی اختیار کی

(الدیلمی عن ابن عباس رضی اللہ عنہ)

الجَامِعُ الصَّغِیر فی احادیث البشیر والنذیر، للامام جلال الدین السیوطی رحمہ اللہ

زندگی در جستجو پوشیدہ است
اصل اُو در آرزو پوشیدہ است
علامہ اقبال

# تاریخ انسانی کا تاریک ترین دور
## 600 ق م سے 600 عیسوی تک
## آسمانی ہدایت کا خلاء اور EROTIC انسانی سوچ کا ارتقاء
## وفلسفہ ہائے حیات کی تشکیل

انجینئر مختار فاروقی

- عروج و زوال، بلندی و پستی، علم و جہالت، روشنی اور تاریکی نیز ہدایت و گمراہی کا آپس میں تضاد کا تعلق ہے اور دنیا کے معروف و مُتداول تصوّرات اور مشاہدات کے مطابق یہ تعلق ایک دوسرے کو ختم کرنے کی جدوجہد کا متقاضی ہے جو درحقیقت دنیا میں روزِ اوّل سے جاری ہے۔ مغربی فلاسفہ کی اصطلاح میں اسے تنازُع للبقاء (SURVIVAL OF THE FITTEST) کہتے ہیں۔ علامہ اقبال نے اسے انسانی زندگی کے تناظر میں 'جہادِ زندگانی' کہا ہے اور ٹھیک ہی کہا ہے۔
- اس تنازع للبقاء کو ذرا ہلکے رنگ میں آپس کی دشمنی بھی کہا جاسکتا ہے یعنی روشنی اور تاریکی ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔ روشنی آئے گی تو تاریکی ختم ہوجائے گی اور تاریکی پھیل جائے گی تو روشنی کا فور ہوجانے کے بعد ہی ایسا ممکن ہے۔ وَ قِسْ عَلٰی ھٰذَا
- اس مرحلہ پر یہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ آسمانی ہدایت اور انسانی ذہن کا اپنے نظریات کو آسمانی ہدایت کے متبادل کے طور پر پیش کرنے کی جدوجہد میں بھی یہی 'جہادِ زندگانی' یا 'تنازع للبقاء' کا معرکہ جاری ہے۔ ہمارے انسانی مشاہدے میں یہ ایک کھلی حقیقت ہے اور یہ عمل ہر چہار طرف زفرش تا ثریّا جاری ہے۔ نیکی اور بدی کی یہ جنگ دنیا کے

خاتمے پر ہی اختتام پذیر ہوگی۔ بقول علامہ اقبال

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفویؐ سے شرارِ بولہبی

◐ اس معرکہ حق و باطل میں پیمانۂ امروز وفردا کے تناظر میں کوئی فریق اس وقت تک شکست تسلیم نہیں کرسکتا جب تک یہ دنیا اور اس دنیا میں اولادِ آدم کا وجود باقی ہے۔ چراغِ مصطفویؐ سے شرارِ بولہبی، آسمانی ہدایت سے ابلیسیت، حضرت آدم سے ابلیس اور انسان سے شیطان ____ ایک نہ تھکا دینے والی تگ ودو میں ہمہ وقت (7 دن/24 گھنٹے) مصروفِ عمل ہیں۔

## تاریخ انسانی کا تاریک ترین دور

1۔ خالق کائنات نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا اور نفس انسانی کے میلانات (PSCHYCHOLOGY) میں شر یعنی EROTIC پہلو کو امتحان اور جانچ کی حد تک محدود رکھنے کے لیے آسمانی ہدایت، پیغمبر اور ضمیر انسانی کی نعمتیں پیدا فرمائیں۔ وقت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آسمانی ہدایت تحریری شکل میں مُتشکّل فرمادی تاکہ محفوظ رہے پھر انسانی جدوجہد کے ذریعے شیطانی وساوس اور نفسانی میلانات کے مقابلے کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خاندان میں نبوت اور کتاب رکھ دی (قرآن 26:57) تاکہ ایک خاندان میں امّت مسلمہ (بڑی جماعت) ہدایت یافتہ ہو اور شیطانی قوتوں کا مقابلہ انسانی EFFORT اور جہاد سے ممکن ہوسکے۔

2۔ ایک خاندان میں آسمانی ہدایت اور پیغمبری کے مختص ہونے سے حضرت یعقوب علیہ السلام کے خاندان (بنی اسرائیل) کی سخت آزمائش آگئی۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بڑے بھائیوں نے یوسف بھائی سے حسد کیا اور پوری سورۂ یوسف بھائیوں کی حاسدانہ روش اور ابتدائی انسانی منفی نفسیاتی رویّوں کے راز بتاتی ہے۔

3۔ حضرت یوسف علیہ السلام مصر میں اعلیٰ عہدے پر فائز ہوئے، پھر حکمران بنے، پھر ان کے خاندان میں حکمرانی رہی۔ اس دور میں بھی چین، ہندوستان، عرب، مصر، یورپ کے مابین زمینی اور سمندری تجارت ہوتی تھی اور قافلے رواں دواں رہتے تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی حکمرانی کے دور میں ان کے بڑے بھائیوں نے اس عالمی تجارت میں قدم رکھا اور جلد ہی اس تجارت پر چھا گئے۔ اس

کی دو وجوہات بڑی واضح ہیں: ایک حضرت یوسف علیہ السلام کی حکمرانی کا سایہ اور دوسرے آسمانی ہدایت کے علمبردار ہونے کا دعویٰ۔ گویا دین اور دنیا دونوں برادرانِ یوسف میں جمع ہو گئے تھے۔

4۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے ایک عرصے بعد جب حکمرانی ختم ہوئی تو مقامی قبطی خاندان (BLACKS) حکمران بنے، انہوں نے بنی اسرائیل کو غلام بنا لیا۔ قبطی فراعنہ مصر کے نام سے پہلے بھی حکمران رہے تھے اس دفعہ بھی انہوں نے کوئی چار صدیاں حکمرانی کی تا آنکہ غلام بنی اسرائیل قوم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے انہوں نے بنی اسرائیل کو فراعنہ مصر کی غلامی سے نجات دلائی۔ اگرچہ فراعنہ مصر کے ہاں وہ بارہ قبیلے (حضرت یعقوب کے بارہ بیٹوں کے خاندان) غلام تھے مگر مصر میں بنی اسرائیل کا کمزور طبقہ ہی غلام تھا۔ آسودہ حال بنی اسرائیل پوری دنیا میں فرعونوں کی حکومت میں بھی اور عالمی سطح پر بھی تجارت میں اہم مقام رکھتے تھے۔ قارون بنی اسرائیل میں سے تھا مگر فرعونوں کا وفادار اور قوم کا غدّار تھا۔ قوم سے غداری کے نتیجے میں مالدار تھا۔ اسی طرح تجارت پر بنی اسرائیل کے بڑے حصے کا قبضہ تھا اور پوری دنیا کے مراکز میں ان کی آبادیاں تھیں اور تجارتی اسفار جاری رہتے تھے۔

5۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے فرعون غرق ہوا، بنی اسرائیل کو آزادی ملی، صحرائے سینا میں کچھ وقت گزارا۔ جہاد سے انکار پر صحرا نوردی کی سزا ملی (قرآن 25-22:05)۔ پھر عرصے بعد جہاد ہوا، حکومت ملی۔ اس دوران پوری دنیا میں بنی اسرائیل کے ساہوکار بھی اپنے بھائیوں سے آملے اور ایک مرکزی حکومت کی بجائے بارہ چھوٹی چھوٹی علیحدہ ریاستیں بنا لیں۔ (قرآن 84-83:02)

6۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تین صدیوں بعد 1000 ق م کے لگ بھگ جہاد ہوا حضرت داؤد اور طالوت کے ذریعے بیت المقدس فتح ہوا (قرآن 252-248:02) اور حضرت داؤد علیہ السلام نے حکومت قائم کی (ربّ کی دھرتی ربّ کا نظام) اُن کے بعد ان کے فرزند ارجمند حضرت سلیمان علیہ السلام کو حکومت ملی پھر ایک اور مختصر عہد ہے۔ اس طرح ایک صدی تک یہ آسمانی بادشاہت (خلافت ارضی) قائم رہی۔ (قرآن 105:22)

7۔ اس مثالی دورِ حکومت میں بیت المقدس بہت بڑا شہر اور عالمی تجارت، علم، ترقی اور

امن وسکون کا گہوارہ بن گیا۔ سارے بنی اسرائیل کے اہم خاندان یہاں آباد ہوئے اور عالمی تجارت میں مزید نمایاں ہوئے بلکہ بنی اسرائیل کی اخلاقی برتری اور مالی اجارہ داری قائم ہوگئی۔ اسی مبارک دور میں بنی اسرائیل کے بارہ خاندانوں میں سے حضرت یوسف علیہ السلام کے بڑے دس بھائیوں کی اولادوں میں دنیاداری، بے راہ روی، عیش وعشرت اور آسودہ حالی کی محبت کی وجہ سے غیر متوازن سرگرمیاں بہت بڑھ گئیں اور انہوں نے نسل پرستی، تفاخر باہمی (نسلی برتری)، خاندانی آسمانی ہدایت کی اجارہ داری کی وجہ سے غلط نظریات اور ابلیسی سوچ کو پروان چڑھایا۔ انہوں نے آسمانی ہدایت کے علمبردار ہونے کے باوصف شرک، توہّم پرستی اور OCCULT SCIENCES میں اس قدر دلچسپی لی کہ آسمانی ہدایت سے منہ موڑ کر بس صرف دنیاداری بلکہ دنیاپرستی کی زندگی اپنالی۔ (قرآن 02:100-103)

8۔ عالمی تجارت پر اجارہ داری رکھنے والا یہ مقتدر طبقہ ایک ہی خاندان (بنی اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کے دس بڑے بیٹوں کی بیشتر اولاد) سے تعلق رکھنے کی وجہ سے آئندہ صدیوں میں خوب خوب ترقی کرتا چلا گیا۔ آسمانی ہدایت کی بنی اسرائیل ہی میں مختص ہونے کی بنا پر اس طبقہ کو دنیا کے دوسرے طبقات پر اخلاقی برتری حاصل رہی اور اس بنا پر وہ آسودہ حال ہونے کے علاوہ پیرزادے اور صاحب زادے بنے رہے۔

9۔ نفسیاتِ انسانی کا یہ خاصّہ ہے کہ انسان کو مالی آسودگی ملے، احساس برتری (SUPERIORITY COMPLEX) ہو اور لمبا عرصہ گزر جائے تو دل سخت ہوجاتے ہیں (قرآن 16:57، 87:02-90، 70:05-71) بنی اسرائیل بھی اسی نفسیاتی کشمکش سے گزرے اور ان کا ایک حصہ انبیاء کرام علیہم السلام کے انکار، تکذیب اور قتل انبیاء جیسے جرائم کا مرتکب بن گیا اور ایک دو نہیں بہت سے پیغمبر قتل کردیے۔ پیغمبر علیہم السلام دنیا میں آسمانی بادشاہت کے نمائندے ہوتے ہیں ان کا قتل سرکاری اہل کار کو دورانِ ڈیوٹی قتل کی طرح کا گھناؤنا جرم ہے۔ یہ جرم اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور حاکمیّت کو چیلنج کرنے والی بات ہے۔ یہ جرم انہوں اغلباً 600 ق م سے شروع کیا اور حضرت مسیح علیہ السلام کو بزعم خویش مصلوب کرانے تک کرتے رہے۔ (اللہ تعالیٰ نے رسول ہونے کے ناطے انہیں بچالیا یہ الگ معاملہ ہے)۔ (قرآن 04:157-158) حتیٰ کہ 70ء میں جب یہود

کوفلسطین سے جلاوطن کیا گیا تو وہ دنیا میں اپنے سابقہ کاروباری روابط کی بنیاد پر جہان سینگ سمائے وہاں جا آباد ہوئے۔ انہی میں سے ایک گروہ مدینے میں بھی پہلے صدی عیسوی میں ہی آ کر آباد ہو گیا تھا۔ بظاہر وہ تورات میں مذکور (157:07) حضرت محمد ﷺ کے انتظار میں تھے مگر وہ ZIONS تھے اور حضرت محمد ﷺ کے قتل کے لیے وہ منتظر تھے۔ انہوں نے آپ (ﷺ) کے قتل کے منصوبے بنائے، نیچا دکھانے کی بدر، اُحد اور خندق میں سازشیں کی مگر آپ (ﷺ) کے رسول ہونے کی وجہ سے آپؐ کے خلاف ہر کوشش میں وہ ناکام و نامراد ہوئے۔

10۔ یہ بات بہت اہم ہے کہ بنی اسرائیل انبیاء کی اولاد، آسمانی ہدایت کے علمبردار، تورات اور زبور کے ماننے والے ہیں اور ایک قلیل طبقہ انجیل کو تسلیم کرنے والا ہے مگر وہ اس 'قتل انبیاء' جیسے گھناؤنے اور مکروہ کھیل میں کیسے مصروف رہے؟ ایک ایسا لاینحل مسئلہ ہے، جو روزِ قیامت ہی کھلے گا۔ بادی النظر میں آسمانی کتابوں تورات اور زبور کا گم کر دینا اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ وہ چاہتے تھے کہ ہمارے سامنے بدعملی جانچنے کا کوئی معیار ہی نہ ہو۔ مزید انبیاء علیہم السلام آئے تو ان کا قتل بھی اسی وجہ سے ہوا کہ ہم کو مزید ہدایت نہیں چاہیے۔ ہم صرف آسمانی باپ کو مان کر، آسمانی ہدایت کو مان کر اور حضرت موسیٰ علیہ السلام (اور دیگر انبیاء) کو مان کر اب عملاً لادینی اور سیکولر (من چاہی) زندگی گزاریں گے۔ ہمیں مزید ہدایت اور مزید پیغمبر نہیں چاہئیں۔ قتل انبیاء کا مطلب ہے کہ اللہ کا بازو مروڑ (FORCING GOD'S HAND) کر کہنا کہ ہمیں مزید ہدایت نہیں چاہیے، اب آپ پیغمبر اور کتابیں بھیجنا بند کر دیں۔

11۔ بنی اسرائیل میں جہاں اچھائی تھی قرآن مجید اس کی تعریف بھی کرتا ہے (قرآن مجید 120,119,118,113,112,75:03) مگر اچھے کم اور فاسق اور بُرے زیادہ تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی طرف نبی تھے مگر ان کی زندگی میں ان پر ایمان لانے والے اقل قلیل کیوں؟ قتل انبیاء کے عادی مجرم زیادہ تھے۔ بنی اسرائیل کے اس رویے سے خدا بیزاری، خدا دشمنی، وحی دشمنی، انسان دشمنی، اخلاق دشمنی اور اپنے آپ سے دشمنی کے تصورات نے جنم لیا۔ (قرآن مجید فرماتا ہے کہ جن قوموں نے اللہ کا کہنا نہیں مانا پیغمبروں کی تکذیب کی اور قتل کیا انہوں نے ہمارا کچھ نہیں بگاڑا بلکہ اپنے آپ پر ظلم کیا (اور اپنے آپ سے دشمنی کی)۔

بنی اسرائیل کے اس رویے نے صدیوں روئے ارضی پر ابلیسی اور شیطانی عمل کو بے لگام کر دیا۔ ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان ہے اور بڑا ابلیس بھی زندہ ہے۔ انسان کے اندر ایک شر کا پہلو ہے۔ یہ EROTIC سوچ بڑھ کر یونان، ایران، بھارت، چین کے ذہین افراد کے ذریعے پھیلی۔ یہود نے عالمی تجارت میں ہونے کے سبب ان فلاسفہ کی سرپرستی کی۔ اسلئے کہ اس سوچ سے دنیا میں جنگیں، اسلحہ اور عالمی تجارت جاری رہ سکتی تھی اور آج بھی جاری ہے۔ یہ انسان دشمن، سیکولر فلسفے، یونانی فلاسفہ (افلاطون، ارسطو وغیرہ) ایرانی فلاسفہ کا مزدکی فلسفہ، آتش پرستی کا فلسفہ اور جنسی آزادی کا فلسفہ وغیرہ۔ بھارت میں چانکیہ وغیرہ کے خیالات اس دور میں پروان چڑھے اور بنی اسرائیل کی وحی دشمنی کے زیر سایہ پروان چڑھ کر بالغ (MATURE) ہوئے۔

12۔ پہلے انبیاء کرام علیہم السلام مختصر وقفے کے بعد آتے رہے اور انسانیت میں EROTIC یا شیطانی خیالات ونظریات کی نفی کرتے رہے۔ مگر 600 ق م سے 600 عیسوی تک آسمانی کتابوں کے 'گم ہو جانے' اور انبیاء کرام علیہم السلام کے مسلسل قتل سے عملاً نوعِ انسانی کے لیے ہدایت کا خاتمہ ہو گیا یا اس پر ڈاکہ ڈالا گیا۔ لہٰذا اسی منحوس دور میں سارے EROTIC خیالات، نظریات اور افکار پروان چڑھے۔ اس کی بنیاد پر مقتدر حضرات نے عمل کیا اور اس ابلیسی فکر کو پھیلانے میں اسی بنی اسرائیل کے بگڑے ہوئے طبقے نے 'سہولت کار' بلکہ ابلیسی فرنٹ مین کا کردار ادا کیا۔ یونانی حکومت قائم ہوئی۔ رومی حکومت قائم ہوئی۔ ایرانی حکومت قائم ہوئی ہند میں (وسطی ہند) کھجوراہو مندر (جو آج UNO کے تحت عالمی ثقافتی ورثہ ہے) تعمیر ہوئے اور یوں بنی اسرائیل کا یہ بگڑا ہوا طبقہ (جو کبھی FREEMASONS کے نام سے کبھی ZOINS کے نام سے اور سیکولر اور لبرل نظریات کے داعی کے نام سے) ان شیطانی اور وحی دشمن خیالات کو عام کر رہا ہے۔ اور قابل افسوس اور صد افسوس بات یہ ہے کہ یہ طبقہ اس کے باوجود کہ آسمانی ہدایت کا ماننے والا ہے خود ساختہ بائبل، تالمود، زبور اور دیگر صحیفوں کے VERSIONS کو پھیلا کر عملاً FOR ALL PRACTICAL PURPOSES سیکولر، لبرل، اخلاق دشمن، وحی بیزار، خدا دشمن اور انسان دشمن رویوں پر عمل پیرا ہے۔

13۔ سود کو جائز کر کے اس نے گزشتہ پانچ صدیوں سے عالمی معیشت پر قبضہ کر رکھا ہے اور

اب ملٹی نیشنلز کے ذریعے اس کا دوام چاہتا ہے۔ حالانکہ اگر چند لمحوں کے لیے مان لیا جائے کہ یہ طبقہ آسمانی ہدایت اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا ماننے والا ہے تو اس طبقے کے لیے بہت آسان ہے کہ UNO کے تحت اور IMF، ورلڈ بینک اور دیگر عالمی اداروں کے تحت تمام ترقی پذیر ملکوں (بلکہ سلامتی کونسل کے پانچ مستقل ارکان) کی امداد اور سرپرستی کو تورات کے مطابق اور حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے طرز حکومت اور قوانین کے نفاذ سے مشروط کردے دنیا میں ساری جنگیں ختم ہوجائیں اور امن وسکون قائم ہوجائے۔ قرآن کے ماننے والوں (مسلمانوں) سے اختلافات میں بھی کمی آجائے گی اور یوں دنیا امن کا گہوارہ اور دہشت گردی سے پاک ہوجائے گی۔ مگر اس ابلیسی صہیونی طبقہ نے خود کاشتہ نظریات بنائے ہیں اور سیکولرازم اور لبرل ازم، آزاد خیالی بلکہ روشن خیالی کے افکار کے تحت آسمانی وحی اور مذہبی تصورات سے بغاوت عام کی ہے۔

14۔ اسی طبقے نے دنیا بھر میں مسلمانوں کے مذہبی اور روایت پرست مسلمانوں کے لیے قتل انبیاء کے جرم کی طرح، ختم نبوت کے بعد جھوٹے نبی اُٹھانے، پالنے اور اس کو ہر طرح سے سیاسی، معاشی اور معاشرتی سطح پر SUPPORT کرنے کا ذمہ لے رکھا ہے۔ یہ جرم قتل انبیاء کے جرم کے سکے کا دوسرا رخ ہے۔ ہمارے نزدیک اگر غیر جانبدار تحقیق کی جائے تو سیّدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مبارک میں ہی جھوٹے نبیوں کے وجود سے لے کر آج تک کے جھوٹے مدعیانِ نبوت وہدایت کا شجرۂ نسب اور ان کا 'کھرا' انہی ZIONS یا بنی اسرائیل یا یہود کے ہاں ہی جائے گا۔ آزمائش شرط ہے۔

15۔ بنی اسرائیل یا ZIONS صرف نبوت کے دعویداروں کے سرپرست اور آسمانی ہدایت کے ڈاکو ہی نہیں مسلمانوں کی اجتماعی زندگی میں انتشار، بدامنی، بے راہ روی، دنیا پرستی، عیاشی اور شراب نوشی کے خیالات کے فلسفے اور مکاتب فکر بنانے والے تمام افراد اور گروہوں کی ڈوریں بھی اُس طبقے کے ہاتھوں میں ثابت کی جاسکتی ہیں۔ اس لیے کہ دنیا کی تمام خفیہ تنظیموں کے تانے بانے اور ان کی سرپرستی کا ذمہ دار یہی صہیونی ابلیسی طبقہ ہے جو قتل انبیاء کے جرم کے بعد سے حضرت محمد (خاتم النّبیین) علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بچ جانے کے غم میں 14 صدیوں سے دانت پیس رہا ہے اور انگاروں

پر لوٹ کر دن رات گزار رہا ہے کہ کسی طرح مسلمانوں کا دنیا میں خاتمہ کیا جاسکے۔ اسی لیے مسلمانوں کے کمزور ہوتے ہی صلیبی جنگوں کا سلسلہ شروع ہوا اور بقول صدر بش ـــــ اب دنیا میں پانچویں صلیبی جنگ جاری ہے جو ان کے بقول اور یہود کے عزائم کی روشنی میں ہیکل سلیمانی کی تیسری دفعہ تعمیر، حضرت داؤد علیہ السلام کے تخت کی لندن سے لاکر بیت المقدس میں تنصیب اور دنیا پر صہیونی اقتدار کے قیام پر منتج ہوگی۔ یہ الگ بات ہے کہ وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَ اللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِينَ (54:03) ''اور وہ ایک چال چلے، اور اللہ بھی چال چلا اور اللہ تعالیٰ خوب چال چلنے والا ہے''۔ ان کا کون کون سا منصوبہ پورا ہوگا اور کون سا منصوبہ ناکام ہوجائے یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے اور احادیث نبویہ میں واضح ہے۔

16۔ یہ بات آج انٹرنیٹ استعمال کرنے والوں کے لیے بہت آسان ہے کہ EROTIC انسانی فکر کے نمائندے یونانی فلاسفہ، رومی بادشاہ، ایرانی اور ہندی فلاسفہ سب کے سب اس دور میں پیدا ہوئے جو اوپر ذکر ہوا ہے۔ آپ نیٹ پر فلاسفہ یا فلاسفی کی TIMELINE میں جاکر دیکھیں سارے بڑے نامور فلاسفہ جو مختلف شیطانی مکاتب فکر کے بانی ہیں وہ سب اسی دور میں ہوئے۔ جبکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کے بعد آپ کو خلا نظر آئے گا۔ دنیا میں 610ء (آغاز وحی) سے لے کر 656ھ تک غیر مسلم فلاسفہ کا کوئی نامور شخص نظر نہیں آئے گا۔ (ہاں مسلمانوں میں کچھ یہود کے زیر اثر ارسطو اور دیگر گمراہ کن یونانی فلاسفہ کے نظریات سے متاثر ہوکر ان کے گن گاتے رہے) جبکہ سقوطِ بغداد (1258ء) کے بعد دوبارہ یورپ میں آہستہ آہستہ ابلیسی اور شیطانی خیالات عام ہوئے اور عصر حاضر کی صہیونی ابلیسی عالمی تہذیب کی شکل میں آج وہ فلسفے ہمارے سامنے مجسّم شکل میں موجود ہیں۔ یہ سب کچھ صرف مسلمانوں میں اسلام پر عملی فقدان کا نتیجہ تھا۔ مسلمانوں نے قرآن کی تعلیمات سے دوری اختیار کرلی لہٰذا شیطانی خیالات کو پھیلنے پھلنے کا موقع ملا۔ مسلمانوں کا عروج قرآن پر عمل کا نتیجہ تھا اور زوال قرآن حکیم سے دوری کے سبب ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا، وَ يَضَعُ بِهٖ آخَرِينَ (مسلم)

''بے شک اللہ تعالیٰ اس کتاب (قرآن مجید پر عمل) کے سبب کچھ قوموں کو عروج

عطا کرے گا اور کچھ قوموں کو (عمل نہ کرنے کے سبب) زوال دے گا''۔

بقول علامہ اقبال

؎ وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہوکر
تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہوکر

## حاصلِ کلام

جب آسمانی کتابیں غائب ہوئیں اور قتل انبیاء کا مکروہ اور منحوس کام ہوا تو شیطانی ابلیسی اور صہیونی عزائم کے علمبردار پیدا ہوئے اور صدیوں کے تعامل کے بعد عالمی سطح کے نظامِ زندگی بن گئے۔ جب آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ آئے تو تمام ابلیسی عزائم خاک میں مل گئے۔ جب تک مسلمان اسلام کی تعلیمات کو لے کر اس کے علمبردار بنے رہے ان کو بھی دنیا میں عزت ملی اور ابلیسی افکار بھی مغلوب رہے۔ مگر جب مسلمانوں میں مجموعی طور پر قرآن سے دوری، قرآنی تعلیمات سے بے اعتنائی پھیل گئی تو یونانی، رومی، ایرانی، بھارتی افکار نے سر اٹھانا شروع کیا۔ بنی اسرائیل کے بگڑے ہوئے طبقے نے ان کی سرپرستی اور آسمانی ہدایت کے مدمقابل اور اس کے متبادل کے طور پر نوعِ انسانی کے سامنے تہذیب حاضر کی شکل میں ایک نظامِ حیات لا کھڑا کیا۔

قرآن مجید واحد آسمانی کتاب ہے جو بنی اسرائیل کے حالات و جرائم کو بے نقاب کرتی ہے اور دشمن بھی تسلیم کرتے ہیں یہ آسمانی کتاب اپنی اصل شکل میں آج بھی نہ صرف موجود ہے بلکہ عوامی سطح پر (PUBLICALLY) قابل حصول ہے اور دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے مگر افسوس کہ اکثریت اس کتاب کو بلا سمجھے (ناظرہ) پڑھتے ہیں۔ اگر مسلمان جاگ جائیں تو یہ مغربی تہذیب زیادہ عرصہ آسمانی ہدایت کا مقابلہ نہیں کرسکتی (جیسا کہ قربِ قیامت کے حالات کے بارے میں احادیث میں تذکرہ ہے)۔ ایک انگریزی محاورہ ہے تو بُرے معنی میں مگر آج کی سیکولر و لبرل تہذیب اور مسلمانوں کے بارے میں ہے بہت صحیح: "WHEN THE CAT IS AWAY, THE MICE PLAY" 'بلی' کے بیدار ہونے کی دیر ہے یہ سب باطل اور لادین نظریات نقش برآب ثابت ہوں گے۔ (ان شاءاللہ)

تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را
گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را

# آہ! (مقبوضہ) حیدرآباد (دکن)

انجینئر مختار فاروقی

دسمبر 2008ء میں بھارت کے شہر ممبئی کے ایک ہوٹل میں بم دھماکے ہوئے تھے اور اس واقعہ کے مبینہ ملزمان نے اپنے مطالبات میں حیدرآباد دکن (بھارت) کی آزادی کا بھی مطالبہ کیا تھا۔ یہ حیدرآباد (دکن) برطانوی ہند کی ایک مسلم ریاست تھی جس پر بھارت نے ستمبر 1948ء میں قبضہ کرلیا تھا۔ یہ مضمون اس پس منظر میں (فروری 2009ء میں) لکھا گیا تھا اب عرصے بعد '12 ستمبر' کی مناسبت سے ستمبر 2019ء میں پھر ہدیۂ قارئین ہے۔

اکہتر[71] سال پرانی بات ہے۔ ہماری نئی نسل کو شاید یہ معلوم ہی نہ ہو کہ برطانوی ہند کی تقسیم میں مقبوضہ کشمیر کی طرح ایک مقبوضہ حیدرآباد دکن کا مسئلہ بھی تاحال لاینحل ہے اور مزید یہ کہ ایک مقبوضہ ریاست جونا گڑھ بھی ہے۔ (یاد رہے کہ جونا گڑھ بحیرۂ ہند کا ساحلی شہر ہے۔ کراچی اور ممبئی کے درمیان میں واقع ہے اور اس ریاست کی اہمیت اس بات سے اور بھی زیادہ اُجاگر ہوتی ہے کہ سومنات کا مشہورِ زمانہ مندر جسے سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے 1026ء میں فتح کر کے بتوں کو پاش پاش کر دیا تھا وہ جگہ اسی ریاست کا حصہ ہے اور بھارت نے اس ریاست پر ناجائز قبضہ کر کے 1947ء کے بعد وہ سومنات کا مندر دوبارہ تعمیر کیا ہے اور اس کا قیمتی دروازہ جو سلطان محمود غزنوی افغانستان لے گیا تھا وہ 1970ء کی دہائی میں افغانستان سے واپس لے کر دوبارہ وہیں نصب کر دیا گیا ہے)

مقبوضہ حیدرآباد دکن کا تذکرہ نوکِ قلم پر اس لئے آ گیا کہ زندہ قومیں اپنے ماضی کو

یاد رکھتی ہیں اور اپنے آباء واجداد کے ادھورے کاموں کو مکمل کرنے کا عزم تازہ کرتی ہیں اس لیے کہ اجتماعی اور قومی زندگی میں کئی کام صدیوں میں تکمیل پذیر ہوتے ہیں۔ جس میں کئی نسلیں اپنے اپنے حصے کا کام سرانجام دے کر اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچاتی ہیں۔ تحریک پاکستان بھی ایک ایسی ہی جدوجہد کا نام ہے جو کئی نسلوں میں حصولِ پاکستان تک پہنچی اور ابھی اسے قوت واخوتِ عوام بننے اور ''ترجمانِ ماضی'' اور ''شانِ حال'' کا روپ دھارنے میں کئی مشکل گھاٹیاں اور غرقاب درپیش ہیں جبکہ ''شانِ استقبال'' کا ''نظارۂ دیرینہ'' دنیا کو دکھانے کا مرحلہ اس کے کہیں بعد آئے گا۔ یا یوں کہئے کہ ابھی تو ہمارا ملک اور حکمران امریکہ بہادر کے ''سائے'' میں لبرل ازم، خوشحالی اور روشن خیالی کے مزے لوٹ رہے ہیں جبکہ عوام پانی اور بجلی کے بغیر اس ''اندھیر نگری'' میں پتھر کے زمانے کے قریب جا پہنچے ہیں۔ نامعلوم یہ ملک خداداد ''سایۂ خدائے ذوالجلال'' کا منظر کب پیش کرے گا۔

مقبوضہ حیدرآباد دکن کا تذکرہ نوکِ قلم پر آنے کی ظاہری وجہ یہ بنی ہے کہ گزشتہ دسمبر 2008ء کے ممبئی بم دھماکوں کے ضمن میں پاکستان کے بچے بچے نے اور عالمی سطح پر ہر باشعور انسان نے یہ خبر سنی اور غور کیا ہوگا کہ ممبئی بم دھماکوں کے ملزمان نے حیدرآباد (دکن) کی آزادی کا بھی مطالبہ کیا تھا۔

ان سطور میں ہمیں اس بحث سے غرض نہیں ہے کہ ممبئی بم دھماکوں کے پیچھے کس کا ہاتھ ہے اور امریکہ، اسرائیل، بھارت اور پاکستان کے رہنماؤں کا جو بھی موقف ہے وہ حقیقت کے نزدیک ہے یا دُور ـــــ ہمیں تو ممبئی بم دھماکوں کے ڈرامہ کے ڈرامہ نویس کے ذہن کی داد دینی ہے اور اس کا شکریہ ادا کرنا ہے کہ اس نے کسی بھی نیت اور ارادے سے یہ ڈائیلاگ دہشت گردوں کے منہ سے ادا کرایا تو یہ بھولا بسرا واقعہ ہم مسلمانانِ پاکستان اور عالمی سطح کے بیدار مغز انسانوں کے لاشعور کی سطح سے اُبھر کر شعور کی سطح پر آ گیا اور کئی سوال کھڑے کر گیا۔

حیدرآباد دکن کا تذکرہ اتنے سال بعد کیوں؟ یہ مطالبہ پیش کرنے کا موقع کیا تھا؟ دہشت گرد ساٹھ سال سے زیادہ عمر کے لوگ تھے جنھیں اس دل دوز واقعہ کی کسک دل میں ستا رہی تھی؟ حیدرآباد دکن کب مقبوضہ بنا؟ کس نے بنایا؟ کیوں بنایا؟ کن اصولوں کی خلاف ورزی ہوئی؟ اس مسئلہ کو ریڈکلف ایوارڈ کے مطابق تقسیم ہند کے حوالے سے حل کیوں نہ کیا گیا؟ اقوام متحدہ اور

سلامتی کونسل اس واقعہ پر گزشتہ سات دہائیوں سے کیوں چپ سادھے ہوئے ہیں؟ اور مشرقِ بعید کی عیسائی ریاست تیموریہ کی طرح آناً فاناً اس مسئلہ کے حل کا مقدر کب چمکے گا؟ اس مسئلے کے حل کے لیے کون رکاوٹ ہے اور کس کس کے مفادات اس کی راہ میں حائل ہیں؟۔ اس طرح کے بے شمار سوالات ہر ذی شعور انسان اپنے آپ سے اور اپنے گردوپیش میں اُٹھانے پر مجبور ہے۔

راقم ذاتی طور پر ممبئی بم دھماکوں کے ڈرامہ کے اس ڈائیلاگ پر اس کہانی کے ''خالق'' کا تہہ دل سے مشکور ہے اور انصاف پسند، آزادی پسند اور جبر کی قوت سے نفرت کرنے والے ہر انسان کی طرف سے بھی کہ اس نے ایک بھولے بسرے اہم مسئلے کو عالمی سطح پر اُجاگر کر دیا۔ (آئندہ کسی ایسے ہی واقعہ پر جونا گڑھ کی آزادی کا مطالبہ بھی آجائے تو بڑا احسان ہوگا)۔

راقم تاریخ کا طالب علم تو نہیں تاہم مطالعے سے جو باتیں مقبوضہ حیدرآباد (دکن) سے متعلق یاد ہیں وہ قارئین کی دلچسپی اور معلومات کے لیے حاضر ہیں۔ اس میں اضافے اور تصحیح کی گنجائش رہے گی جس کے لیے اہل علم کو دعوت ہے۔

- تحریک پاکستان 1940ء کی دہائی میں زوروں پر تھی اور برطانوی ہند کے طول وعرض میں پشاور سے چاٹگام تک ''پاکستان کا مطلب کیا'' اور ''لے کے رہیں گے پاکستان'' کے نعرے گونج رہے تھے۔ 1946ء کے الیکشن میں آل انڈیا مسلم لیگ کو برتری حاصل ہوئی اور وہ مسلمانانِ ہند کی واحد نمائندہ جماعت کے طور پر ابھر کر سامنے آگئی۔ قائداعظم محمد علی جناح کی ولولہ انگیز قیادت میں پاکستان کے مطالبہ کی منظوری کے واضح آثار دکھائی دے رہے تھے۔
- مختلف مراحل سے گزر کر قابض برطانوی راج یعنی تاجِ برطانیہ نے تقسیم ہند پر آمادگی ظاہر کر دی۔ تقسیم ہند کے موقف کا تسلیم ہو جانا دراصل قابض برطانوی استعمار اور ہندو ذہن کی مشترکہ شکست تھی۔ تقسیم ہند کو روکنے کے لیے ان دونوں قوتوں نے مل کر ایڑی چوٹی کا زور لگایا تھا مگر تاریخ کا بہاؤ، علامہ اقبال کی تجدیدی مساعی کے نتیجے میں عوامی بیداری، برطانوی استعمار کی لوٹ کھسوٹ اور ہندو کی بظاہر آزادی کی جدوجہد (جس کے لیے وہ مسلمانوں کے ایک قابل ذکر حصے کو ساتھ ملائے ہوئے تھا) اور در پردہ گزشتہ ایک ہزار سال کے مسلم اقتدار (جسے ہندو اپنی کم ظرفی کی وجہ سے غلامی تصور کرتا تھا) کا بدلہ چکانے کی خواہش کے منافقانہ عزائم تھے، جس نے مسلمانوں کے اجتماعی جوش وخروش کو عروج پر پہنچا دیا تھا۔

- چنانچہ تقسیم ہند کو تسلیم کر کے اعلانِ آزادی (3 جون 1947ء) نشر ہوا اور اس کے عملی اقدامات شروع ہوئے۔ تقسیم ہند کے عملی اقدامات میں جا بجا ہندو منافقت اور برطانوی مسلم دشمنی کے نقوش واضح ہیں۔ مسلم اکثریت کے علاقوں کے تعیّن اور پاکستان و ہند کی سرحدوں کی حد بندی کے لیے ریڈکلف کمیشن بنایا گیا جس پر تاجِ برطانیہ کی مداخلت اور ہندو کی جانبداری کا واضح الزام لگایا گیا تاہم استعماری عزائم اور برطانیہ کی طرف سے ہندو نوازی کے آگے مظلوم مسلمانوں کی بار بار دہائی کی کوئی شنوائی نہ ہو سکی۔
- تقسیم ہند کے سلسلے میں ریڈکلف ایوارڈ آیا تو اس نے پنجاب، سندھ اور بنگال کی ایسی مضحکہ خیز تقسیم کر دی کہ بیراج کا کنٹرول ایک ملک میں، نہریں دوسرے ملک میں۔ ریلوے اسٹیشن کی بلڈنگ ایک ملک میں اور پلیٹ فارم دوسرے ملک میں۔ علیٰ ہذا القیاس۔
- تقسیم ہند کے وقت پورے ملک میں 625 ریاستیں تھیں جن کا نظم و نسق بظاہر نواب، راجے، مہاراجے چلاتے تھے۔ مگر ان کے مدار المہام یا وزیر اعظم وائسرائے نامزد کرتا تھا جس سے عملاً یہ ریاستیں تاجِ برطانیہ کی براہِ راست غلام اور برطانوی سامراج کے انگوٹھے یا فوجی بوٹ کے براہِ راست نیچے بے دست و پا رہتی تھیں۔
- پاکستان کے معرضِ وجود میں آتے وقت طے پایا تھا کہ ان ریاستوں کے سربراہ فیصلہ کریں گے کہ وہ پاکستان یا بھارت کس کے ساتھ جائیں گے۔
- بھارت نے روایتی اور دیرینہ مسلم دشمنی کے جذبات کے تحت مسلم اکثریتی علاقے ریاست کشمیر کے راجے کو دہلی بلا کر دباؤ ڈال کر بھارت کے ساتھ الحاق کرا لیا (جس کی دستاویز کے جعلی ہونے پر بڑا مواد موجود ہے) جسے کشمیری عوام نے تسلیم نہیں کیا تو بھارت نے 'عوامی رائے شماری' کہ ریاست کشمیر کے عوام بھارت یا پاکستان کس کے ساتھ الحاق چاہتے ہیں (جیسے سلہٹ اور صوبہ سرحد میں ہوا تھا) دسمبر 1947ء میں واضح شکست نظر آنے پر ریاست میں فوجیں داخل کر دیں۔ اس پر پاکستان کی حکومت نے عقل مندی سے کام لیا اور عوامی سطح پر شمالی علاقہ جات سے رضا کارانہ فوج نے مقابلہ کیا اور قریب تھا کہ پورا کشمیر آزاد ہو جاتا روایتی چند نادیدہ ہاتھوں نے جنگ بندی کرا دی اور معاملہ اقوام متحدہ میں چلا گیا جسکے معنی ہی کسی مسلم قضیئے کو سرد خانے میں ڈال دینا ہے۔ قراردادیں منظور ہوئیں، استصوابِ رائے کا فیصلہ بھی ہوا مگر بھارت نے ایک نہ مانی اور

معاملہ 71 سال سے جوں کا توں ہے۔ کشمیر کا ایک حصہ جنگ بندی کے بعد مسلمانوں کے پاس آ گیا جو آزاد کشمیر کہلاتا ہے۔ اسی طرح ریاست جونا گڑھ کا مسئلہ ہے جو بھارت کیلئے سومنات کا مندر ہونے کی وجہ سے ''مونچھ کا بال'' بنا رہا تا آنکہ برطانیہ، امریکہ اور سلامتی کونسل کے دیگر بے انصاف اور ظالم ممبران کی وجہ سے سرد خانے میں چلا گیا اور آج اس کا نام بھی زبان پر نہیں ہے۔

- ریاست حیدرآباد (دکن) کا معاملہ سب سے زیادہ سنگین اور بھارت کی دیدہ دلیری اور فاشزم کا منہ بولتا ثبوت تھا اور آج بھی ہے کہ اس کی کسک بالواسطہ طور پر عالمی سطح پر آ گئی۔

ریاست حیدرآباد دکن بھارت کے وسط میں ہے بھارت اگر تقسیم میں مخلص ہوتا تو اس ریاست کو مسلم ریاست کے طور پر تسلیم کر لیتا جیسے کیوبا کیمونسٹ اسٹیٹ ہے اور امریکہ کے پہلو میں روس اور ماسکو سے بہت دور زندہ سلامت ہے۔ بھارت بھی مسلمانوں سے مخلص ہوتا تو دکھانے کو ہی سہی اس ریاست کو زندہ رکھتا۔ اس ریاست کے سربراہ نظام حیدرآباد نے ریاست کا الحاق پاکستان سے کر دیا اور پاکستان کے لیے بھاری مالی امداد بھی دی (جو برطانیہ اور بھارت نے آج تک پاکستان نہیں پہنچنے دی) حیدرآباد دکن مالی طور پر ایک خوشحال ریاست تھی اور اس کے نواب نظام حیدرآباد میر عثمان علی کا شمار دنیا کے چند متمول ترین آدمیوں میں ہوتا تھا۔ بھارت نے اس سونا اگلتی زمین پر للچائی ہوئی نگاہیں گاڑے رکھیں اور معاملے کو لٹکا دیا اور شاطرانہ انداز میں موقع کی تلاش میں رہا۔

- پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے پر ملک کو مالی طور پر بہت سی مشکلات کا سامنا تھا اور مہاجرین کی آمد اور آبادکاری، دوسرا بڑا مسئلہ تھا وسائل کی شدید کمی تھی تاہم قائداعظم کی بے مثال قیادت اور مسلم اخوّت (MUSLIM BROTHER HOOD) نے معجزہ دکھایا اور ملک آہستہ آہستہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے لگا۔

اس عرصے میں بھارت نے مسلم دشمنی اور انتقامی جذبات کے تحت ہر موقع پر پاکستان کو دھوکہ دیا اور اسلحہ، فوج، ہتھیار، وسائل غرض ہر چیز کی تقسیم میں پاکستان کو حصہ کم دیا اور پھر اکثر و بیشتر جو حصہ معاہدے میں طے پا گیا وہ بھی عملاً کبھی پاکستان تک نہ پہنچ سکا۔ پاک و ہند دوستی زندہ باد۔ آج مغرب امریکہ برطانیہ پھر ہمیں ہندو کے ساتھ دوستی اور تجارت کا سبق دیتے ہیں مگر در پردہ وہ بھی بھارت کی طرح مسلم دشمنی کے جذبات سے سرشار ہیں تاریخ نے اسے صلیبی جنگوں (CRUSADES) کا نام دیا ہے ورنہ انہیں مسلم امہ کے کسی مفاد سے کوئی غرض نہیں ہے۔

1948ء میں قائداعظم پیرانہ سالی، کام کی زیادتی اور بیماری کی وجہ سے صاحب فراش ہوگئے اور مرض بڑھتا گیا تا آنکہ کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ کے اٹل اصول کے سامنے پاکستان کے مسلمانوں کو سر جھکانا پڑا اور 11 ستمبر 1948ء کو قائداعظم کی وفات کی خبر نشر ہوگئی۔

مسلم دشمنی اور انتقامی جذبات سے لبریز ہندو ذہنیت موقع کی تلاش میں تھی مسلمانانِ عالم اور مسلمانانِ پاکستان اپنے محبوب رہنما کی وفات کے غم میں نڈھال تھے کہ 12 ستمبر 1948ء رات ڈھلے بھارت نے حیدرآباد (دکن) میں بظاہر پولیس کے ذریعے (تاکہ عالمی میڈیا بھارت کو اسرائیل اور حیدرآباد کو ''غزہ'' نہ سمجھ لیں) ریاست حیدرآباد (دکن) کا انتظام سنبھال لیا۔

مسلمانوں نے وہاں تک رسائی کی کوشش کی اور بالآخر اقوام متحدہ میں مسئلہ پیش کر دیا سلامتی کونسل کے حسب معمول اجلاس ہوئے مگر نشستند گفتند خوردند نوشیدند اور برخواستند کے مصداق معاملہ حل نہ ہوسکا اور آج بھی معاملہ اقوام متحدہ کے التواء شدہ معاملات کی فہرست میں دبا پڑا ہے اور منتظر ہے انصاف کے دن کا جہاں 'جو چپ رہے گی زبانِ خنجر لہو پکارے گا آستیں کا'

ریاست حیدرآباد دکن جو بھارت کی ایک مقبوضہ ریاست ہے اور قبضہ بھی غاصبانہ ہے افسوس کہ اس کا کہیں تذکرہ نہیں۔ پرانے لوگ راہی ملک عدم ہوئے، اخباروں اور تحریروں میں بھی کہیں کہیں اور کبھی کبھی تذکرہ ہوتا ہے جو نہ ہونے کے برابر ہے۔

بھلا ہو ممبئی بم دھماکوں کی کہانی لکھنے والے ڈرامہ نگار کا جس نے اپنے ذہن کے (اس لیے کہ حیدرآباد دکن کے غاصبانہ قبضہ کی خلش ہندو ذہن کو بھی ستاتی ہے) منفرد آئیڈیا کو الفاظ کا رنگ دے کر دنیا میں اس اندوہناک قضیئے کی یاد تازہ کر دی۔

ع بدم گفتی و خورسندم عفاک اللہ نکو گفتی

اللہ تعالیٰ ہم مسلمانوں کو سچی توبہ کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے وفاداری نبھانے کا جذبہ عطا فرمائے تاکہ ہم مسلمانوں پر آج جو نکبت اور ذلت طاری ہے اس کے گہرے سائے ختم ہوسکیں اور مسلمان دنیا میں عزت کا وہ مقام حاصل کرسکیں کہ وقت کا کوئی بھی فرعون مسلمانوں کی طرف میلی نگاہ سے نہ دیکھ سکے۔ (آمین)

# حکمتِ اقبال پر ایک عمومی نظر

8

ڈاکٹر محمد رفیع الدین
کی کتاب 'حکمت اقبال' سے ایک باب

## کیا اقبال پر مزید لکھنے کا دور ختم ہو چکا ہے؟

پھر بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ اقبال پر لکھنے کا زمانہ اب ختم ہو گیا ہے کیونکہ اس پر جو کچھ لکھا جا سکتا تھا لکھا جا چکا ہے اقبال کی تحریروں کو اور نچوڑنے سے کیا نکلے گا۔ آخر اقبال پر کہاں تک کوئی لکھ سکتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ لیکن جو لوگ یہ کہتے ہیں وہ بھی فلسفۂ خودی کی نوعیّت پر اور اس کی توسیع اور تنظیم کی ممکنات پر اور ان تصورات کی کمیّت اور کیفیّت پر غور نہیں کرتے جو اس میں مضمر ہیں۔ اقبال نے خودی پر لکھا ہے لہٰذا اقبال پر لکھنے کے معنی یہ ہیں کہ اقبال کے افکار کی روشنی میں خودی کے موضوع پر لکھا جائے اور خودی کے موضوع کی وسعت کا اندازہ کرنے کے لیے یہ بات کافی ہے کہ خودی حقیقت کائنات ہے۔ ساری کائنات خودی کا کرشمہ ہے اور کائنات کی ہر چیز کا باعث خودی ہے۔ ؎ پیکر ہستی ز آثارِ خودی است
ہر چہ بینی ز اسرارِ خودی است

لہٰذا جو کچھ آج تک مادی کائنات میں یا حیوانات کی دنیا میں یا انسانوں کی دنیا میں ہوتا رہا ہے یا آئندہ ہوگا وہ خودی کے اعمال و افعال اور تصرّفات و اثرات کا ہی نتیجہ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ تمام قوانینِ قدرت خودی کے اوصاف و خواص کے مظاہر ہیں سارا علم خودی کا علم ہے خودی کا تصور علم کی ابتدا اور انتہا ہے اور حال اور مستقبل کے تمام حقائق علمی تصورِ خودی کے

مضمرات ہیں اور اس کے اندر بالقوہ موجود ہیں۔ لہٰذا جوں جوں علم اپنے تینوں شعبوں میں یعنی مادہ، حیوان اور انسان کے شعبوں میں ترقی کرے گا تصورِ خودی کی تشریح کا نت نیا سامان پیدا ہوتا رہے گا اور ظاہر ہے کہ یہ عمل تا قیامت جاری رہے گا۔ اقبال پر لکھنے کا پہلا اہم قدم یہ ہے کہ ہم اقبال کے افکار کو ایک منطقی یا عقلی سلسلہ کی شکل دے کر یہ بتائیں کہ کس طرح سے طبیعیات، حیاتیات اور نفسیات کے تمام سچے حقائق جو آج تک دریافت ہو سکے ہیں، تصورِ خودی کے اجزا و عناصر ہیں۔ یہ اقبال کے فلسفہ خودی کی پہلی تشریح اور تفسیر ہوگی جسے فلسفہ خودی کے ماہرین ہی نہیں بلکہ تمام تعلیم یافتہ لوگ بھی آسانی سے سمجھ سکیں گے۔ جب اقبال کی اس قسم کی تشریح وجود میں آئے گی تو اس وقت صاف طور پر نظر آجائے گا کہ اقبال کے کئی تصورات دورِ حاضر کے تمام انسانی اور نفسیاتی علوم یعنی عمومی فلسفۂ انسان و کائنات، فلسفۂ سیاست، فلسفۂ اخلاق، فلسفۂ تعلیم، فلسفۂ قانون، فلسفۂ اقتصادیات، فلسفۂ تاریخ، فلسفۂ ہنر، فلسفہ نفسیات انفرادی اور اجتماعی فلسفہ علم وغیرہ کے ساتھ کئی نقطوں پر ٹکرائے ہیں۔ لہٰذا ان علوم میں سے کسی پر قلم اُٹھانے والا اقبال کے ان تصورات کی تردید یا توثیق کے بغیر آگے نہیں بڑھ سکے گا اور اقبال کے تصورات کی بنیاد اس قدر مضبوط ہے اور وہ تصورات اس قدر صحیح ہیں کہ رفتہ رفتہ یہ معلوم ہو جائے گا کہ ان کی معقول تردید ممکن نہیں اور ان کی توثیق کے بغیر چارہ نہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ اقبال پر لکھنے کا دوسرا اہم قدم یہ ہوگا کہ تصورِ خودی کی بنیادوں پر ان تمام علوم کی تدوین اور تعمیر نئے سرے سے کی جائے گی جن کا ذکر اُوپر کیا گیا ہے اور ان علوم کی تعمیرِ نو کے سلسلہ میں بتایا جائے گا کہ کس طرح سے ان علوم کی موجودہ تدوین عقلی اور علمی نقطۂ نظر سے غلط ہے اور اس طرح سے ان تمام علوم کو فلسفہ خودی کی شاخوں کے طور پر پیش کیا جائے گا۔ گویا اقبال پر لکھنا اس زمانہ میں بھی اس وقت تک ختم نہیں ہوسکتا جب تک کہ ہم انسانی، حیاتیاتی اور طبیعیاتی علوم کو نئے سرے سے اس طرح مدوّن نہ کرلیں کہ تصورِ خودی ان علوم کی رُوح کے طور پر نظر آنے لگے پھر اس ابتدائی کام کے بعد جوں جوں علم ترقی کرتا جائے گا فلسفہ خودی کی مزید تشریح اور توسیع ہوتی رہے گی۔

## فلسفۂ خودی کی تشریح ہمیشہ ترقی کرتی رہے گی

شارحین اقبال کا کام لوگوں کو یہ سمجھانا ہے کہ اقبال نے کیا کہا ہے لیکن جب تک وہ یہ نہ

بتائیں کہ اقبال نے جو کچھ کہا ہے وہ معلوم اور مسلّم عقلی اور علمی معیاروں کے مطابق صحیح اور درست ہے، وہ اس کام کو پوری طرح سے انجام نہیں دے سکتے۔ اگر ہمارے نزدیک اقبال کے افکار قابل قدر یا قابل قبول ہیں تو اس لیے ہیں کہ وہ علم اور عقل کے پیمانوں کے مطابق معیاری اور درست ثابت کیے جا سکتے ہیں اور درست ثابت ہو کر رہیں گے۔ اقبال کسی اِلہام کا مدعی نہیں اس کا دعویٰ فقط یہ ہے کہ وہ جو کچھ کہتا ہے وہ علمی اور عقلی طور پر صحیح ہے اور کسی تصور کا عقلی طور پر درست ہونا اس کے سوائے اور کوئی معنی نہیں رکھتا کہ وہ ان تمام تصورات کے ساتھ مناسبت و مطابقت رکھتا ہے جو عقلی و علمی طور پر درست مانے جا سکتے ہیں۔ صحیح تصورات کا امتیازی وصف یہ ہے کہ وہ عقلی و علمی نقطۂ نظر سے ایک دوسرے کے مؤید ہوتے ہیں لہٰذا وہ تصورات کا ایک ایسا مجموعہ بناتے ہیں جس کے اندر کوئی غلط تصور داخل نہیں ہو سکتا۔ ہم اس مجموعہ سے کوئی تصور نکال کر اس کی جگہ کسی غلط تصور کو نہیں رکھ سکتے۔ اگر ہم ایسا کریں گے تو وہ تصور اس مجموعہ سے غیر متعلق اور الگ تھلگ نظر آئے گا اور اس کی وجہ سے مجموعہ کے منطقی تسلسل میں دراڑ پیدا ہو جائے گا جو آشکار طور پر نظر آئے گا لہٰذا کسی تصور کے درست ہونے کا معیار یہ ہے کہ ہم بتا سکیں کہ وہ فی الواقع دوسرے تمام درست تصورات کے ساتھ علمی اور عقلی مناسبت یا مطابقت رکھتا ہے اور اس کی جگہ لینے والا کوئی دوسرا تصور ان کے ساتھ اس قسم کی کوئی مطابقت یا مناسبت نہیں رکھتا۔ اقبال کے تصورات، صحت اور معقولیت کے اس معیار پر پورا اُترتے ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ انسانی، حیاتیاتی اور طبیعیاتی علوم آخر کار اقبال کے تصورِ خودی پر مبنی ہو جائیں اور خودی کی تشریح اور تفسیر قرار پائیں تصورِ خودی کی یہ تشریح اور تفسیر علم کی آج تک کی ٹھوکروں کا مداوا اور آج تک کی بے راہ روی کا علاج ہوگی جس کے لیے نوعِ انسانی ہمیشہ کے لیے اقبال کی شکر گزار رہوگی۔ بعد میں حقیقت انسان و کائنات کے متعلق ہمیں جو کچھ معلوم ہوتا جائے گا وہ خواہ اس کا تعلق علم کے کسی شعبہ سے ہو خود بخود اس نظام افکار کا جزو بنتا چلا جائے گا یہی مطلب اقبال کا ہے جب وہ لکھتا ہے:

> ''تاہم یہ یاد رہے کہ تحقیقِ علم و حکمت کی کوئی انتہا نہیں ہو سکتی۔ جوں جوں علم ترقی کرتا جائے گا اور فکر کے نئے نئے راستے کھلتے جائیں گے ان ہی مطالب کی تشریح کے لیے اور تصورات اور غالباً بہتر تصورات میسر آتے جائیں گے۔ ہمارا فرض ہے

کہ ہم انسان کی علمی ترقیوں کا جائزہ لیتے رہیں اور اپنے نظریۂ حیات پر قائم رہتے ہوئے ان پر تنقیدی نگاہ ڈالتے رہیں''۔

ان معروضات کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ نہ صرف اقبال پر لکھنا ابھی ختم نہیں ہوا بلکہ ابھی تک پوری طرح سے اس پر لکھنے کا آغاز بھی نہیں ہوا اور جب اس پر لکھنے کا آغاز ہوگا تو پھر اس پر لکھنا صرف اس وقت ختم ہوگا جب ہم انسان اور کائنات کے متعلق کسی پہلو سے بھی اور کچھ جاننے سے مجبور ہو جائیں گے اور ظاہر ہے کہ جب تک انسان اس کرۂ ارض پر موجود ہے یہ وقت کبھی نہیں آ سکتا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جوں جوں وقت گزرتا جائے گا اقبال کے فلسفہ خودی کی معقولیت اور جاذبیت زیادہ سے زیادہ آشکار ہوتی جائے گی۔ لہٰذا مستقبل کا انسان جس قدر اقبال کی عظمت کا معترف ہوگا آج کا انسان نہیں ہوسکتا۔ ایک سچے تصورِ حقیقت پر قائم ہونے والے نظامِ حکمت کی ہر ترقی اس کی اگلی ترقی کو آسان کرتی ہے اور اس طرح سے اس کی غیر متناہی ترقیوں کا دروازہ کھول دیتی ہے۔ جب اقبال کے فلسفہ خودی کی ایک اور ترقی یافتہ صورت اس کی منظّم تشریح کی شکل میں ہمارے سامنے آئے گی تو پھر وہ اور ترقی کرے گا اور لوگ تا قیامت اس پر لکھتے رہیں گے اور اس کی ترقیوں کا سلسلہ کبھی ختم نہ ہوگا کیونکہ علم کے تینوں شعبوں میں دریافت ہونے والے تمام حقائق صرف اسی کے اجزا و عناصر شمار ہوں گے۔

## فلسفۂ خودی کے مقابل تمام فلسفے مٹ جائیں گے

فلسفہ خودی کی پہلی منظّم تشریح کے ظہور سے کچھ عرصہ کے بعد اس کی تشریح کی اور توسیع کی ضرورت پیش آئے گی اور پھر کچھ مدت کے بعد اس کی دوسری مزید توسیع کی ضرورت لاحق ہوگی۔ علیٰ ہذا القیاس اوپر ہم دیکھ چکے ہیں کہ کس طرح سے ایک سچا فلسفہ ہمیشہ ترقی کرتا رہتا ہے اور اس کی ترقیاں کبھی ختم نہیں ہوتیں اس کے برعکس چونکہ علمی حقائق ایک غلط فلسفہ کے ساتھ، جو غلط تصورِ حقیقت پر مبنی ہوتا ہے، مطابقت نہیں رکھتے لہٰذا ان حقائق کی ترقی کی وجہ سے زود یا بدیر ایک ایسا وقت خود بخود آ جاتا ہے جب غلط فلسفہ کی فرضی معقولیت کا پردہ چاک ہوتا ہے اور وہ اپنا دم توڑ دیتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ فکر اقبال کی اس قسم کی منظّم تشریح ایک ایسے دور کو قریب لائے گی جب دنیا میں صرف ایک ہی فلسفہ باقی رہ جائے گا اور وہ اقبال کا فلسفہ خودی ہوگا اور دوسرے تمام

فلسفے یا تو کلیتہً مٹ جائیں گے یا پھر نوعِ انسانی کے ادوارِ جہالت کی یادگار کے طور پر باقی رہیں گے۔ یہی سبب ہے کہ اقبال دورِ حاضر کے انسان سے نہیں بلکہ مستقبل کے انسان سے اُمید رکھتا ہے کہ وہ پوری طرح سے اس کی عظمت کا اعتراف کرے گا اور اس کے فکر کو اپنی عملی زندگی کی بنیاد بنائے گا یہی وجہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ اس کے فکر نے وہ آہوئے تاتار فتراک میں باندھا ہے جو ابھی عدم سے وجود میں نہیں آیا اس کے باغ کی زینت وہ سبزہ ہے جو ابھی اُگا نہیں اور اس کا دامن ان پھولوں سے بھرا ہوا ہے جو ابھی شاخ ہی میں پوشیدہ ہیں۔

فکرم آں آہو سر فتراک بست　　کو ہنوز از نیستی بیروں نجست
سبزہ ناروئیدہ زیب گلستم　　گل شاخ اندر نہاں در دامنم

اور یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو شاعر فردا کہتا ہے اور اپنے آپ کو ایسا نغمہ سمجھتا ہے جسے زخمہ ور کی حاجت نہیں ہے اور جو ساز کائنات سے خود بخود بلند ہونے والا ہے وہ کسی آنے والے زمانہ میں اپنی روشن کی ہوئی آگ (نارِعشق) کے اُن پجاریوں کا منتظر ہے جو ابھی سور ہے ہیں اور نیند سے اس وقت اُٹھیں گے جب جہالت کی تاریکیوں کی رات کٹ جائے گی اور سچی حکمت کی صبح کا نور پھیلنے لگے گا چونکہ اقبال کو معلوم ہے کہ اس کا فلسفہ خودی نوعِ بشر کی علمی ترقیوں کے ایک خاص دور میں ہی پوری طرح سمجھا جاسکتا ہے پوری قبولیت حاصل کرسکتا ہے اور اپنی پوری شان وشوکت سے جلوہ گر ہوسکتا ہے لہٰذا وہ اپنے تمام ہم عصروں سے یہ امید نہیں رکھتا کہ وہ اس کی قدر کرسکیں گے چونکہ اس کی لے کی سُر نرالی ہے اس کا ہم عصر اس کے نغمہ کو سمجھ نہیں سکتا اس کے زمانہ کے لوگ رموز حیات سے ناواقف ہیں لہٰذا دورِ حاضر وہ بازار ہی نہیں جہاں اس کے یوسف کے خریدار پائے جاسکیں اس کا نغمہ کسی اور جہان سے تعلق رکھتا ہے جو ابھی پیدا نہیں ہوا اور اس کی جرس کسی اور ہی کاروان کو حرکت میں لانے والی ہے۔

بسکہ عود فطرتم نادر نواست　　ہم نشین از نغمہ ام ناآشنا است
نغمہ ام ز زخمہ بے پرواستم　　من نوائے شاعر فردا ستم
انتظار صبح خیزاں مے کشم　　اے خوشا زردشتیانِ آتشم
عصر من دانندۂ اسرار نیست　　یوسف من بہر ایں بازار نیست

نا امید ستم ز یارانِ قدیم　　طور مے سوزد کہ مے آید کلیم
نغمہ من از جہانِ دیگر است　　ایں جرس را کاروانِ دیگر است

## فلسفۂ خودی کی اہمیت اور عظمت کا دعویٰ صحیح ہے

اپنے فکر کی اہمیت اور عظمت کا یہ دعویٰ جو اقبال نے بار بار اپنے اس قسم کے اشعار میں کیا ہے درحقیقت خودی یا جوہر انسانی کے اوصاف کا ایک علمی اور عقلی نتیجہ ہے جس سے گریز ناممکن ہے اقبال جوہر انسانی کے اوصاف کو معنی آدم کہتا ہے اور بتاتا ہے کہ کس طرح سے جب وہ ارتقا کی قوتوں کے نہ رُکنے والے عمل سے انسان کی عملی زندگی میں آشکار ہوں گے تو انسان کی زندگی جس کی موجودہ غیر متوازن حالت دل میں کھٹکتی ہے ہر لحاظ سے موزوں اور تسلی بخش ہو جائے گی، یہاں تک کہ نوعِ انسانی اپنے حسن و جمال کی اس انتہا پر پہنچ جائے گی جس کا اس وقت ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ ہم اقبال سے کیا پوچھیں خود فطرتِ انسانی اس کے دعویٰ کی صداقت پر گواہ ہے۔

یکے در معنی آدم نگر از ما چہ مے پرسی
ہنوز اندر طبیعت مے خلد موزوں شود روزے

لہٰذا اقبال کا یہ دعویٰ اس کے فلسفہ کا جزو لاینفک ہے اگر اقبال اپنے فلسفہ کے اس اہم جزو کے متعلق اس لیے خاموش رہتا کہ اس کے اظہار سے اس کی ستائش کا پہلو نکلتا ہے تو وہ گویا اپنے تصورِ خودی کی حقیقت کو بہ تمام و کمال بیان کرنے سے قاصر رہ جاتا ہے جو اسے کسی قیمت پر قابل قبول نہ ہو سکتا تھا لہٰذا جو لوگ اقبال کے اس دعویٰ کو بے کار اور بے معنی نہیں سمجھتے وہ حق بجانب ہیں لیکن آج تک جو کچھ اقبال پر لکھا گیا ہے اس سے اقبال کے اس دعویٰ کی عقلی اور علمی بنیادیں آشکار نہیں ہوتیں یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ موجودہ اقبالی ادب کے حاصلات سے مطمئن نہیں۔ قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی اپنی کتاب ''اقبالیات کا تنقیدی جائزہ'' میں جو 1955ء میں چھپی تھی لکھتے ہیں:

''فلسفہ خودی پر اب تک کوئی جامع اور مبسوط کتاب نہیں لکھی گئی۔ اقبال کی وفات کو آج 17 سال ہوئے ہیں مگر اب تک ان پر جو کام ہونا چاہیے تھا وہ نہیں ہوا''۔

ڈاکٹر سیّد عبداللہ نے لکھا تھا:

''گو کلامِ اقبال کے متعلق مضامین کی فہرست بظاہر طویل ہے لیکن اس کی عظمت اور بلندی کی نسبت سے اب بھی بہت تشنہ اور مختصر ہے''۔

اس پر قاضی احمد میاں اختر لکھتے ہیں:

''ہر وہ شخص جس نے اقبالیات کی تعداد کے ساتھ ہی ان کی نوعیت اور قدر و قیمت کا اندازہ کیا ہے، ڈاکٹر صاحب موصوف کے ساتھ اتفاق کرے گا کہ اب تک اقبالیات کے نام سے جو ذخیرۂ ادب تیار ہو چکا ہے وہ اس پایہ کا نہیں جیسا کہ ہونا چاہیے اور جس سے اقبال کے مطالعہ میں کافی مدد مل سکے اکثر تحریرات ایک دوسرے کی نقل ہیں، یہی وجہ ہے کہ ناقدین اقبال کو ان پر اعتراض کرنے کا موقع مل گیا ہے۔ اب ضرورت اس بات کی مقتضی ہے کہ مطالعہ اقبال کے سلسلہ میں کوئی عملی اور ٹھوس کام کیا جائے اور اس میں ایسے اصحابِ فکر و نظر حصہ لیں جو اقبال شناسی میں امتیازی درجہ رکھتے ہوں''۔

لیکن اگر اقبال کا یہ دعویٰ صحیح ہے تو ان لوگوں کے اقوال اقبال نافہمی کے ایک مضحکہ خیز مظاہرہ سے کم نہیں جو کہتے ہیں کہ اب ہمیں سوچنا چاہیے کہ اقبال کے افکار میں سے کون سے مر گئے ہیں اور کون سے زندہ ہیں یا جو یہ کہتے ہیں کہ اقبال پر لکھنے کا زمانہ اب ختم ہو گیا ہے۔

## فلسفۂ خودی کی منظّم اور مکمل تشریح کی خصوصیات

ان حقائق کی روشنی میں ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ ضروری ہے کہ فلسفۂ اقبال کی منظّم اور مکمل تشریح خصوصیاتِ ذیل کی حامل ہو:

اوّل: ضروری ہے کہ وہ ایک ایسے مسلسل اور مربوط نظامِ حکمت کی شکل میں ہو جس میں اقبال کے تمام تصورات جو اس وقت اس کی نظم یا نثر کی کتابوں میں بکھرے پڑے ہیں خواہ وہ کسی موضوع یا مطالعہ سے تعلق رکھتے ہوں ایک زنجیر کی کڑیوں کی طرح آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ اور اقبال کے مرکزی تصورِ خودی کے ساتھ عقلی اور عملی رشتہ میں منسلک ہوں۔

دوم: ضروری ہے کہ اس کے اندر طبیعات، حیاتیات اور نفسیات کے تمام ایسے حقائق جن کو آج تک سائنس دانوں اور فلسفیوں نے دریافت کیا ہے اور جو اقبال کے تصورات کے

ساتھ مناسبت اور مطابقت رکھتے ہیں اپنے مناسب نتائج اور مضمرات کے سمیت اقبال کے تصورات کی تائید اور توثیق اور تشریح اور توسیع کے لیے سموئے ہوئے موجود ہوں۔

سوم: ضروری ہے کہ اس کا مرکزی اور بنیادی تصور اقبال کا تصورِ خودی ہو جس کی اصل خدا کا وہ تصور ہے جو نبوتِ کاملہ کی تعلیمات نے پیش کیا ہے اور اس کے دوسرے تمام تصورات خدا کے اسلامی تصور کی تشریح اور تفسیر کے طور پر ہوں لہٰذا اس میں جا بجا قرآن کی آیات اور احادیث کو اقبال کے تصورات کی تائید اور توضیح کے لیے پیش کیا گیا ہو۔

چہارم: ضروری ہے کہ وہ تمام متداول اور رائج الوقت غلط قسم کے طبیعیاتی، حیاتیاتی اور نفسیاتی فلسفوں کی ایسی تردید پر مشتمل ہو جو صحیح حقائق کو غلط حقائق سے الگ کر کے اور غلط حقائق کو درست حقائق بنا کر اقبال کے فلسفہ خودی کے اندر سموتی ہو گویا وہ فلسفۂ طبیعیات، فلسفۂ حیاتیات اور فلسفۂ نفسیات کی تعمیر جدید کی شکل میں ہو۔

## اقبال کا فلسفہ عالمِ انسانی کے عالمگیر نظریاتی مرض کا صحت بخش ردِّعمل ہے

جب ایک جسم حیوانی میں کسی مرض کے جراثیم داخل ہو کر بڑھتے اور ترقی کرتے ہیں یہاں تک کہ اس میں مرض کی حالت پیدا کر دیتے ہیں تو زندگی کی رو جو حیوان کے اندر بہہ رہی ہوتی ہے (جو درحقیقت اسے پیدا کرتی ہے اور نشوونما کے سارے مرحلوں سے گزار کر جسمانی یا حیاتیاتی کمال تک پہنچاتی ہے) فوراً ان جراثیم کے خلاف ایک ردّعمل کرتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حیوان کے جسم کے اندر جراثیم کے زہر کا تریاق یا فادز ہر پیدا ہونا شروع ہوتا ہے جسے ماہرین علم الابدان انٹی ٹاکسنز (Anti-Toxins) یا اینٹی باڈیز (Anti Bodies) کہتے ہیں یہ فادز ہر متواتر پیدا ہوتا اور ترقی کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ جراثیم ختم ہو جاتے ہیں اور ان کا زہر بھی باقی نہیں رہتا اور ان کی بجائے یہ تریاق جسم میں باقی رہ جاتا ہے جس کی وجہ سے مرض کا دوسرا فوری حملہ ممکن نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ اب یہ بات عام طور پر تسلیم کی جاتی ہے کہ کسی مرض کے خلاف کوئی حفاظتی یا مدافعتی تدبیر اس سے زیادہ کارگر اور مؤثر نہیں ہو سکتی کہ بدن میں مرض کی حالت مصنوعی طور پر پیدا کر کے قدرت کو اس کے خلاف ردّعمل کرنے اور اس کا تریاق پیدا کرنے کا موقع دیا جائے بعض امراض کے حفاظتی ٹیکے اسی اصول پر ایجاد کیے گئے ہیں۔ پوری نوعِ انسانی کی صورت

میں بھی یہی اصول کام کرتا ہے۔ زندگی کی رو جس نے حضرتِ انسان کو ایک جونک کی حالت سے ترقی دے کر جسماتی اور حیاتیاتی کمال تک پہنچایا ہے اور اس کی نسل کو لاتعداد خطرات سے بچا کر اور ترقی اور فروغ دے کر دنیا کے کناروں تک پھیلایا ہے وہی اس کو نفسیاتی اور نظریاتی کمال کے اس مقام تک پہنچانے کی ذمہ دار ہے جو درحقیقت اس کی ساری کاوشوں اور محنتوں کا مدعا اور مقصود ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ اس نے انبیاء کے ایک طویل سلسلہ کے ذریعے نوعِ بشر کی روحانی اور نظریاتی حفاظت و تربیت کا ایک نہایت ہی معقول اور تسلی بخش انتظام کیا تھا جس کے اثرات چاروں طرف کرۂ ارض پر پھیل گئے تھے۔ لیکن اب جب کہ نبوت ختم ہوئے ایک زمانہ گزر گیا ہے مغرب کے غلط حکیمانہ تصورات تعلیمِ نبوت کے اثر کو، جو اب تک نوعِ انسانی کی نظریاتی اور روحانی صحت کا ضامن تھا، ختم کر رہے ہیں۔ ان غلط تصورات نے خطرناک نفسیاتی جراثیم کی طرح نوعِ انسانی کے شعور میں گھس کر ایک عالمگیر جسمانی وبائی مرض کی طرح ایک نفسیاتی یا نظریاتی وبائی مرض پیدا کر دیا ہے اور بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب نوعِ انسانی اس مرض کی وجہ سے نظریاتی طور پر ہمیشہ کے لیے مردہ ہو جائے گی لیکن ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا اکثر لوگ اس بات کو نہیں جانتے کہ زندگی کے رو جو درحقیقت خدا کے ارادہ کے عمل کا نام ہے اپنے مقاصد کے حصول پر قادر ہے اور انہیں ضرور پا کر رہتی ہے۔

وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ

(خدا اپنے مقصد پر غالب ہے لیکن اکثر لوگ اس بات کو نہیں جانتے)

ارتقا کی پوری سرگزشت بتاتی ہے کہ بڑی سے بڑی رکاوٹ بھی زندگی کے مقاصد میں حائل نہیں ہو سکتی۔ ذرا ان بے شمار خطرناک آسمانی حادثات اور ہولناک زمینی تباہیوں کو ذہن میں لائیے جن کا سامنا زندگی کو سب سے پہلے ایک خلیہ کے حیوان سے لے کر آج تک کے مہذب انسان کے ظہور تک کرنا پڑا ہے، ہر آن یہ گمان رہتا تھا کہ زندگی ہمیشہ کے لیے کرۂ ارض سے نیست و نابود ہو جائے گی لیکن ایسا نہیں ہوا خود غاروں کے اندر اور درختوں کے اوپر پناہ لینے والے کمزور، نہتے اور بے بس انسان کی نسل کا جنگلی درندوں کے لشکر سے بچ نکلنا قدرت کا ایک معجزہ ہے جو اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ زندگی اپنے مقاصد کے حصول میں کسی سے شکست نہیں کھا سکتی۔ چونکہ

نوعِ انسانی نے نہ صرف کرۂ ارض پر زندہ رہنا ہے بلکہ اپنے روحانی کمال کو بھی پہنچنا ہے لہٰذا ممکن نہیں تھا کہ زندگی کی رو عالم انسانی کے اس ہمہ گیر نظریاتی مرض کے خلاف کامیاب ردّعمل نہ کرتی جو مغرب کے غلط تصورات نے پیدا کر دیا ہے زندگی کا یہ ردِعمل حکمت اقبال کی صورت میں نمودار ہوا ہے۔ ضروری ہے کہ جسم حیوانی کے صحت بخش ردّعمل کی طرح یہ ردعمل بھی برابر ترقی کرتا رہے یہاں تک کہ کرۂ ارض سے غلط تصورات کا زہر نیست و نابود ہو جائے اور نوعِ انسانی اپنی نظریاتی صحت کی طرف پوری طرح سے لوٹ آئے۔ زندگی کی رو کا نہ ٹلنے والا تقاضا یہ ہے کہ عالم انسانی نظریاتی موت سے بچ جائے اور صحت یاب ہو کر پھر ارتقا کی راہوں پر چل نکلے اس وقت آدم خاکی حالت زوال میں ہے کیونکہ وہ غلط نظریات کے زیر اثر ارتقا کی راہوں سے ہٹ گیا ہے اور نہایت سرعت کے ساتھ پستی کی طرف لڑھکتا چلا جا رہا ہے، اسے فوری علاج کی ضرورت تھی جو زندگی نے خود اپنے صحت بخش ردّعمل کے ذریعہ سے اقبال کے فلسفہ خودی کی صورت میں پیدا کیا ہے ضروری ہے کہ یہ ردّعمل برابر بڑھتا اور ترقی کرتا چلا جائے اور اس سے پیدا ہونے والے صحت بخش مواد (Anti Bodies) جو اقبال کے سچے معقول اور یقین افروز تصورات کی شکل میں ہیں یہاں تک ترقی کریں کہ انسانی سوسائٹی کے جہنم کے کونے کونے میں پھیل جائیں اور مضر اور مہلک تصورات کے اثر کو ناکام بنا دیں لہٰذا نہ صرف یہ ضروری ہے کہ خود قدرت کے اپنے اہتمام کے ساتھ فلسفہ اقبال کی پہلی مکمل اور منظّم تشریح وجود میں آئے بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ یہ تشریح متواتر ترقی اور توسیع پاتی رہے یہاں تک کہ تمام نفسیاتی، حیاتیاتی اور طبیعیاتی حقائق علمی کو اپنے اندر جذب کر لے اور اپنی معقولیت کی کشش کی وجہ سے آخر کار پورے عالم انسانی کے شعور پر حاوی ہو جائے۔

اقبال کو بجا طور پر اس بات کا یقین ہے کہ ایسا ہی ہوگا یہی سبب ہے کہ وہ کہتا ہے:

پس از من شعر من خوانند و دمے رقصند و دمے گویند
جہانے را دگرگوں کرد یک مرد خود آگاہے

# کیا.....حجاب صنفِ نازک کے لیے وبال ہے؟؟

عبد الرشید طلحہ نعمانی
(بشکریہ ماہنامہ الحسن لاہور، جولائی 2019ء)

''عورت'' انسانی تہذیب وتمدّن کا اٹوٹ حصہ اور بشری ثقافت و حضارت کا انمول جوہر ہے، جس کے دم سے گلشن ارضی میں زیب و زینت، تصویرِ کائنات میں رنگ ونکہت اور خاندانی ومعاشرتی نظام میں آرام وراحت ہے، یہی وجہ ہے کہ صرف مذہبِ اسلام ہی نے اس صنفِ لطیف کو مکمل اعزاز واکرام اور بھرپور عظمت واحترام کے ساتھ تمام اجتماعی ومعاشرتی مسائل میں وہ مساویانہ حقوق اور عادلانہ تحفّظات فراہم کیے جن سے محرومی اس کا ازلی مقدر اور تہی دامانی اس کی شومئ قسمت تھی، جو صدیوں کی ذلت ونکبت سے دوچار، برس ہا برس کے ظلم و جور سے بےزار، سالہا سال کی مذمت وحقارت سے ناچار، ہر قسم کی شخصی وسماجی برائیوں کا سرچشمہ، مختلف سیّئات ومعاصی کا مقدمہ، زندگی میں آنے والی ہر آفت ومصیبت کا پیش خیمہ اور مردوں کی جنسی تسکین، شہوت رانی وہوس پرستی کا واحد ذریعہ سمجھی جاتی تھی، مگر سلام ہو اسلام کے نظامِ عفّت و عصمت پر کہ اس نے اس راندۂ روزگار اور مظلومِ زمانہ کو اپنی آغوشِ رحمت میں لیا اور پردۂ حجاب جیسے بہترین حِصنِ حصین کے ذریعہ بےحیائی وہواپرستی کے تحت الثریٰ سے نکال کر حیاداری و پاک دامنی کے بامِ ثریا تک پہنچادیا، مزید برآں: اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ ..... الخ (34:04) کے اصول زرین کے ذریعہ مرد وزن کے مابین تقسیم کار کا وہ عظیم الشان کارنامہ انجام دیا، جس سے نہ صرف مغرب کی حیاء باختہ اور ایمان سوز مہلک یلغار کا خاتمہ ہوگیا، بلکہ ساتھ ہی ساتھ عصر حاضر

کے ان نام نہاد روشن دماغ خود ساختہ دانش وروں کا منھ بھی بند ہو گیا جنھوں نے محض فحاشی و عریانی کے فروغ کے لیے بے حجابی کو وقت کا تقاضا اور بے پردگی کو عدل و مساوات قرار دے کر اسلامی تہذیب کو ملیا میٹ کرنے کی سازش کی۔

لعنت ہو مغرب کی اس بے حیا تہذیب اور عریاں ثقافت پر جس نے اسلام کی عطا کردہ اس چادرِ عفت کو تار تار کر کے جنسی انارکی، مادر پدر آزادی، شہوانی بے راہ روی اور بدمستی و عیاشی کا وہ ننگا ناچ دکھایا کہ الامان الحفیظ!! موجودہ مخلوط تعلیمی نظام ہو، یا حقوقِ نسواں کا پر فریب نعرہ، مستورات کے جنسی فیصلوں کی آزادی ہو، یا برقعہ و حجاب پر پابندی و امتناع کی کوشش.....غرضیکہ یہ اور اس جیسے تمام تر فواحش و خرافات مغرب کی فکر گستاخ کے عکاس، یورپ کی تہذیب جدید کے غماز اور پوری عیاری و چال بازی کے ساتھ خاتونِ مشرق کو لیلائے مغرب کی طرح اپنی ہوس ناکی، لذت اندوزی اور شہوت رانی کا ذریعہ بنانے کی وہ فریبی چالیں ہیں، جن کے دامِ تزویر میں اُمت کی اُمت پھنسی جا رہی ہے، اور نوبت بہ ایں جا رسید

اب مسلمانوں میں بھی نکلے ہیں کچھ روشن خیال
جن کی نظروں میں حجابِ صنفِ نازک ہے وبال
چاہتے ہیں بیٹیوں، بہنوں کو عریاں دیکھنا
محفلیں آباد، لیکن گھر کو ویراں دیکھنا

## حجاب معاشرے کی تطہیر کا اہم سبب:

ہر معقول پسند شخص اس بات سے ضرور اتفاق کرے گا کہ قدرت کے فیاض ہاتھوں نے تمام اعضائے انسانی میں صرف چہرہ ہی کو ایسی شناخت عطا کی ہے کہ وہ حسن لطیف کی جلوہ نمائیوں کا مرکز، جمالِ قدرت کی جملہ رعنائیوں کا محور اور دیدۂ زیبی و دل فریبی کا سب سے بڑا مظہر ہے کہ تخلیق جوارح میں وہ خلقت کا حسین شاہ کار ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن و سنت اور اجماعِ اُمت میں اس کے حجاب سے متعلق تفصیلی احکام وارد ہوئے ہیں۔

حجاب صرف ایک کپڑے کا ٹکڑا یا معمولی سا نقاب نہیں ہے، بلکہ یہ معاشرتی ضرورت ہے، ایک طرزِ زندگی ہے، ایک ضابطۂ حیات ہے، جو با حجاب خواتین کے کردار کا احاطہ کرتا ہے۔

خواتین کے حجاب پہن لینے یا مرد کے داڑھی رکھ لینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ تمام گناہوں سے پاک ہوگئے، بلکہ یہ اسلام کی تدریجی تربیت کا ایک اہم عنوان ہے، اسلام نے سب سے پہلے عورت کو بیرونِ خانہ نکلنے ہی سے منع کر دیا، پھر بہ وقت ضرورت نکلنے کی محدود اجازت دی اور مکمل مستور ہونے کو ضروری قرار دیا، سرکار دو عالم ﷺ نے مختلف اقوال کے ذریعے عورتوں کو باپردہ رہنے کی تلقین فرمائی، حتیٰ کہ مسجد نبوی میں آکر نبیؐ کی اقتدا میں نماز پڑھنے کی خواہش کرنے والی خاتون کو گھر کی اندھیر کوٹھری میں نماز پڑھنے کا حکم دیا اور اسی کو افضل بتلایا۔

اُمّ المومنین اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا حضور پاک ﷺ کے پاس بیٹھی تھیں۔ اتنے میں ابن ام مکتوم آئے اور حضور پاک ﷺ نے حضرت میمونہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما کو پردہ کرنے کے لیے کہا۔ انھوں نے آپ سے عرض کیا کہ وہ تو نابینا ہیں؟ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا تم تو نابینا نہیں ہو؟

اسلام کی ان روشن اور واضح تعلیمات کے باوجود آج کل مسلم معاشرہ میں حجاب کو ترقی اور تعلیم کی راہ میں رکاوٹ سمجھا جاتا ہے، فرسودہ نظام اور جاہلیت قدیمہ سے منسوب کیا جاتا ہے، حالانکہ تعلیم میں پردے کا کوئی عمل دخل نہیں، تعلیم کے لیے یکسوئی اور خیالات کے اجتماع کی ضرورت ہوتی ہے۔ غور کیا جائے تو اصل ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہمارے معاشرے کے بنائے ہوئے اصول ہیں، قدرت کے بنائے ہوئے اصول کبھی بھی ہماری ترقی کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکتے۔

کہا جاتا ہے کہ روس کے ایک ٹیلی ویژن چینل نے ایک ڈاکومنٹری فلم بنائی، جس میں ایک شاپنگ پلازہ میں دو اداکار مرد و عورت کو جھگڑا کرتے ہوئے بتایا:

پہلا سین: ''لڑکی یورپین لباس میں ہے اور مرد اس سے جھگڑا کر رہا ہے، اسے برا بھلا کہہ رہا ہے''

ڈاکومنٹری میں تقریباً چالیس کے قریب لوگوں کو انھیں دیکھ کر گزرتے ہوئے دکھایا، جنھوں نے انھیں یوں جھگڑا کرتے ہوئے دیکھا، لیکن کسی نے بھی ان کے معاملے میں دخل نہیں دیا، لوگ انھیں نظر انداز کر کے قریب سے گزرتے رہے۔

دوسرا سین: ''وہی مرد و عورت پھر جھگڑا کر رہے ہیں، لیکن اس بار لڑکی نے اسلامی لباس یعنی حجاب پہنا ہوا ہے''۔ سب کو یہ دیکھ کر یہ حیرت ہوئی کہ جس نے بھی مرد کو حجاب میں ملبوس لڑکی کو برا

بھلا کہتے ہوئے دیکھا، اس نے آکر مرد کو پکڑ لیا اور ڈانٹا کہ وہ اس لڑکی سے کیوں لڑ رہا ہے؟ کیوں اس لڑکی کو پریشان کر رہا ہے؟ حتیٰ کہ ایک آدمی نے تو اس مرد کو مارنے کی کوشش بھی کی اور اسے گھسیٹ کر لڑکی سے دور لے گیا۔ جتنے لوگوں نے انھیں دیکھا، چند ایک کے علاوہ باقی سب نے آکر مرد کو روکا اور ایسا صرف اس وجہ سے ہوا کہ لڑکی حجاب پہنے ہوئے تھی۔

## حجاب اور نومسلم خواتین:

نومسلم ہندو دوشیزہ کملا داس نے، جن کا اسلامی نام ثریا ہے، ایک انٹرویو میں اس سوال پر کہ آپ کو اسلام میں سب سے زیادہ پرکشش بات کیا لگی؟ کہا: ''مجھے مسلمان عورتوں کا برقعہ بہت پسند ہے۔ میں پچھلے 24 برسوں سے پردے کو ترجیح دے رہی ہوں۔ جب کوئی عورت پردے میں ہوتی ہے تو اس کو احترام ملتا ہے۔ کوئی اس کو چھونے اور چھیڑنے کی ہمت نہیں کر سکتا۔ اس سے عورت کو مکمّل تحفّظ ملتا ہے''۔ (ہفت روزہ ''نئی دنیا'' نئی دہلی 28 دسمبر 1999ء)

ثریا نے اب برقعہ کا استعمال بھی شروع کر دیا ہے، وہ پردے کے بغیر زندگی کو آزادی نہیں سمجھتی، بلکہ ایسی آزادی کو عورت کے لیے زہر قاتل سمجھتی ہے۔ اس نے اس سوال پر کہ کیا برقعہ آپ کی آزادی کو متاثر نہیں کرتا؟ کہا: ''مجھے آزادی نہیں چاہیے۔ اب تو آزادی میرے لیے ایک بوجھ بن گئی ہے۔ مجھے اپنی زندگی کو باضابطہ اور باقاعدہ بنانے کے لیے گائیڈ لائن کی ضرورت تھی۔ ایک خدا کی تلاش تھی، جو تحفظ دے۔ پردے سے عورت کو مکمل تحفظ ملتا ہے۔ پردہ تو عورت کے لیے بلٹ پروف جیکٹ ہے''۔ (ہم کیوں کفر سے اسلام میں داخل ہوئیں؟ ص: 116)

نومسلم عیسائی خولہ لگاتار کہتی ہیں: ''پہلے مجھے حیرت ہوتی تھی کہ مسلم بہنیں برقعے کے اندر کیسے آسانی سے سانس لے سکتی ہیں؟ اس کا انحصار عادت پر ہے، جب کوئی عورت اس کی عادی ہو جاتی ہے تو کوئی دِقت نہیں ہوتی۔ پہلی بار میں نے نقاب لگایا تو مجھے بڑا عمدہ لگا، انتہائی حیرت انگیز۔ ایسا محسوس ہوا گویا میں ایک اہم شخصیت ہوں، مجھے ایک ایسے شاہکار کی مالکہ ہونے کا احساس ہوا جو اپنی پوشیدہ مسرتوں سے لطف اندوز ہو۔ میرے پاس ایک خزانہ تھا جس کے بارے میں کسی کو کوئی معلوم نہ تھا۔ اجنبیوں کو دیکھنے کی اجازت نہ تھی''۔ (ہم کیوں کفر سے اسلام میں داخل ہوئیں؟ ص: 204)

نومسلم دوشیزہ صونی رولڈ کی سرگزشت۔ ''میں نے سر ڈھانپنا شروع کیا تو میرے باپ

کا تبصرہ یہ تھا کہ بڈھی کھوسٹ لگنے لگی ہو۔ یہ تبصرہ آج کل عام ہے۔لوگ سر پر اسکارف باندھنا ترک کر چکے ہیں،اس لیے شاید وہ مجھے عجوبہ سمجھتے ہیں۔ بہرحال میں تو اپنے آپ کو عجوبہ نہیں سمجھتی ہوں۔ میں مسلمان ہوں اور میں ناروے میں غیر ملکی ہوں۔ میرے مسلم احباب زیادہ تر عرب یا پاکستانی ہیں، اس ماحول میں مجھے گرم جوشی، تدبُّر اور دانائی ملتی ہے، ایسی دانش جو ناروے کے انفرادیت پرست ماحول سے کوسوں دور ہے''۔(ہم کیوں کفر سے اسلام میں داخل ہوئیں؟ص:224)

ان مبنی برحق تبصروں سے جہاں اس بات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حجاب کی کیا اہمیت وضرورت ہے، وہیں یہ بھی علانیہ محسوس کیا جاسکتا ہے کہ ثقافتی دہشت گردی کو اس بات کا خطرہ ہے کہ کہیں اسلام عالمی مذہب نہ بن جائے اور وہ خواب جو یہودی دنیا پر حکومت کرنے کا دیکھ رہے ہیں چکنا چور نہ ہو جائے۔اس لیے اسلامی تہذیب وثقافت کو کچلنے کی یہ مہم مختلف حیلوں سے جاری وساری ہے۔

## عالمی یومِ حجاب کا آغاز:

4 ستمبر کا دِن، مغرب کے نعرۂ مساوات کا پردہ چاک کرنے اور اس نام نہاد و مہذب دنیا کے آزادانہ خدوخال کو واضح کرنے کا دِن ہے۔آج سے ٹھیک سولہ سترہ سال قبل 4 دسمبر 2002ء کو فرانس نے یورپ میں پہلی بار حجاب پر قانوناً پابندی عائد کر دی، اس سے پہلے جرمنی، تیونس اور ترکی میں بھی حجاب جیسا پاکیزہ شعار عتاب کا نشانہ بنا، مہذب دنیا کے ان اوچھے ہتھکنڈوں کو روکنے کے لیے اسمبلی فار پروٹیکشن آف حجاب (THE ASSEMBLY FOR THE PROTECTION OF HIJAB) نے چار ستمبر کو بطور عالمی یومِ حجاب منانے کا اعلان کیا اور اسے شہید المحجاب ''مروۃ الشربینی'' سے منسوب کر دیا۔

تب سے لے کر آج تک بیشتر مسلم ممالک میں یومِ حجاب منایا جاتا ہے، اس حوالے سے مختلف تقریبات منعقد کی جاتی ہیں، جن میں حجاب کی اہمیت، افادیت، پر تفصیلی روشنی ڈالی جاتی ہے، جب کہ تمام بڑے شہروں میں خصوصی سیمینارز، کانفرنسز اور اجلاس کا بھی اہتمام کیا جاتا ہے۔

# خلیفہ ثانی
# سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ

شہادت یکم محرم الحرام، 24 ہجری

پروفیسر مہر غلام سرور

## مختصر تعارف

نام عمر۔ لقب فاروق۔ کنیت ابوحفص۔ لقب اور کنیت محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا ہیں نویں پشت میں سلسلۂ نسب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔ قریش کی مشہور شاخ بنوعدی سے تعلق تھا۔ بعثت کے وقت عمر 27 برس تھی۔ سفارت کاری کا اہم شعبہ قبیلہ بنوعدی کے سپرد تھا۔ آپ کا قد بہت دراز تھا سینکڑوں کے مجمع میں کھڑے ہوتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ گھوڑے پر سوار ہیں۔ بہادر اور شہ زور تھے، عکاظ کے میلے میں اپنے عہد کے نامی گرامی پہلوانوں کو شکست دی۔

## قبولِ اسلام

قبولِ حق کا واقعہ بہت تعجب خیز ہے۔ ایک دن اس عہد کے 'فرعون' ابوجہل کی ترغیب و تحریص پر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کا ارادہ لے کر ننگی تلوار ہاتھ میں لیے گھر سے روانہ ہوئے۔ یاد رہے کہ ابوجہل، حضرت عمر کا ماموں تھا ابوجہل بہت ہی سنگدل اور سفاک شخص تھا جس کی بربریت، بہیمیت اور سفّاکیّت کے ساتھ اس بدبخت نے بی بی سمیہ اور یاسر رضی اللہ عنہما کو شہید کیا جو تاریخ اسلام کا ناقابل فراموش سانحہ ہے۔ ابوجہل کی خباثت، سنگدلی، دہشت و درندگی کا پرتو آج کل بھارت کے مودی کی شکل میں دیکھ سکتے ہیں جس نے گجرات میں بے بس، بے سہارا، نہتے مسلمانوں کا قتل عام کیا انھیں گھروں میں بند کر کے ساز و سامان سمیت نذرِ آتش کیا۔ وزیر اعظم بننے کے بعد اس

ملعون، خون آشام نے بھارت کے مسلمانوں پر ایسے لرزہ خیز مظالم کا سلسلہ شروع کیا جس کی نظیر تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے کشمیر جنت نظیر میں یہ شخص جو کچھ کئے جا رہا ہے وہ دنیا دیکھ رہی ہے۔ دنیا اور خاص کر دنیائے اسلام کے حکمرانوں کے لیے نوشتہ دیوار ہے۔ اہل کشمیر تو دنیائے اسلام کے حکمرانوں کے لیے بڑی دردمندی سے کہہ رہے ہیں: ہم خاک ہو جائیں گے تمہیں خبر ہونے تک۔ صدیوں پہلے جب دیبل (کراچی) کے قریب بحری قذاقوں نے ایک چھوٹے سے جہاز کو لوٹ مار کا نشانہ بنایا تو ایک مسلمان لڑکی کے منہ سے بے اختیار یہ الفاظ نکلے مدد اے حجاج! حجاج بن یوسف اس وقت عراق کا گورنر تھا۔ بے سہارا مسلم لڑکی کے الفاظ سن کی اس کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ اپنے نوجوان بھتیجے محمد بن قاسم کو حکم دیا کہ وہ مسلمان مسافر قیدیوں کو رہائی دلائے اور ان کا لوٹا ہوا مال بھی واپس حاصل کرے۔ 17 سالہ اس خوبرو جوان نے جو کچھ کیا اس کی تفصیل کا موقع نہیں۔ البتہ اتنا کہنا ضروری ہے کہ سندھ باب الاسلام بنا۔ مختصر قیام کے دوران عدل و انصاف کا ایسا نظام اہل ہند کو روشناس کرا دیا جس کی اس سے پہلے کسی نے خواب میں بھی جھلک نہ دیکھی سنی ہوگی۔ کہنا یہ تھا کہ دنیا کے مسلمان حکمران اگر سو رہے ہیں تو جاگ جائیں ورنہ مودی نے جو آگ جلائی ہے اس میں سب کچھ بھسم ہو جائے گا۔

؎ یا رب! عمرؓ سا تابندہ ستارا دیدے
مسلمان کو عظمت رفتہ دوبارہ دیدے

تمام مسلمان حکمران بے لوث خلوص نیت سے صرف امت کی خیر خواہی اور مظلوم کشمیری اور دیگر ستم رسیدہ بھائیوں کے لیے کمر بستہ ہو جائیں۔ بھارت سے سفارتی تجارتی اور معاشرتی تعلقات ختم کر لیں تو ان شاء اللہ ایک سال کے اندر اندر مودی کی ساری ہلّہ شیری ہوا ہو جائے گی۔ مگر ایسا ہوگا نہیں۔ البتہ روز محشر کو مظلوم مسلمان موجودہ دور کے مفادات کے اسیر حکمرانوں کے گریبان ضرور پکڑیں گے۔ ؎

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نومیدی مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے!

درمیان میں گفتگو بلکہ تحریر کا رخ تبدیل ہو گیا بات ہو رہی تھی حضرت عمرؓ کے قبولِ اسلام کی۔ برہنہ شمشیر ہاتھ میں لیے جا رہے تھے، راستے میں نُعیم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے جو خفیہ طور پر

اسلام قبول کر چکے تھے، عمرؓ کے بدلے بدلے تیور دیکھ کر پوچھا کہاں کا ارادہ ہے؟ جواب دیا کہ محمد (ﷺ) کو قتل کر کے دم لوں گا۔ نُعیم بن عبداللہ نے کہا کہ دارِارقم بعد میں جانا پہلے اپنے گھر کی خبر لو۔ تمہاری بہن اور بہنوئی مسلمان ہو چکے ہیں۔ سیدھے بہن کے گھر پہنچے۔ دروازے کی درز سے دیکھا کہ دونوں کوئی چیز پڑھ رہے ہیں۔ آگ بگولا ہو گئے۔ دروازہ کھولنے سے پہلے بہن نے سب کچھ چھپالیا۔ عمرؓ نے بہنوئی کو بے تحاشا مارنا شروع کر دیا۔ بہن فاطمہؓ خاوند کو بچانے کے لیے آگے آگئیں اور بے دھڑک کہا: عمر! چاہے آپ ہمیں جان سے مار دیں، محمد ﷺ کی غلامی سے ہم پیچھے نہیں ہٹ سکتے۔ بلند ہمت بہن کے الفاظ سن کر اندر سے ٹوٹ پھوٹ گئے۔ بہن کی استقامت اور ثابت قدمی دیکھ کر دل کی دنیا بدل گئی۔

المختصر! بہن اور بہنوئی سے سورۃ طٰہٰ کی ابتدائی چند آیات سن کر مکمل طور پر گھائل ہو گئے۔ قتل کرنے آئے خود 'مقتول' ہو گئے دارِارقم پہنچ کر آقائے دو جہاں ﷺ کی غلامی کا جھومر پیشانی پر سجالیا۔ قبولِ حق کے بعد رحمت عالم ﷺ سے عرض کیا۔ آقا! کیا آپ اللہ کے سچے رسول نہیں ہیں؟ آپ کا پیغام مبنی برحق نہیں ہے؟ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ کیوں نہیں۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ آج مسلمان ڈنکے کی چوٹ پر کھلم کھلا بیت اللہ میں عبادت کریں گے۔ رسول مکرم ﷺ کی قیادت میں مسلمانوں نے پہلی دفعہ بیت اللہ میں عبادت کی۔ اس دوران حضرت عمرؓ ننگی تلوار لے کر بیت اللہ کے دروازے پر کھڑے ہو گئے اور کفار کو للکار کر کہا جسے اپنی بیوی کو بیوہ اور اولاد کو یتیم بنانا ہو وہ عمرؓ کے مقابلے پر آئے۔ مگر سب مشرکین للکار سن کر سہم گئے اسی موقع پر دربارِ مصطفوی ﷺ سے آپؓ کو سدا بہار 'فاروق' کا لقب عطا ہوا۔

آپؓ کا عہد خلافت جو تقریباً ساڑھے دس سال پر مشتمل ہے قابل فخر و عظیم الشان فتوحات کا سنہری دور ہے۔ آپؓ نے عدل و انصاف پر مبنی ایسا انتظام و انصرام کیا کہ آج بھی بعض مغربی ممالک 'عمر لاز' کو مشعل راہ بنائے ہوئے ہیں۔ عہد فاروقی میں حقیقی جمہوریت کی بہار تھی۔ کوئی بھی شخص سرِ راہ آپ کو روک کر باز پرس کر سکتا تھا مسجد نبوی ﷺ میں خطبہ کے دوران ایک شخص نے کہا کہ آپؓ پہلے سوال کا جواب دیں۔ ماتھے پر تیوری چڑھائے بغیر بڑی توجہ سے اس شخص کی بات سن کر فرمایا کہ تیرے اس سوال کا جواب میرا بیٹا عبداللہ دے گا۔ عبداللہؓ نے کہا کہ مال غنیمت

میں حاصل ہونے والے میں نے اپنے حصے کا کپڑا اپنے والد کو دیدیا تھا اور ان کا کرتا تیار ہوا اگر آج کا حکمران ہوتا تو نہ جانے اس سوال کرنے والے کا کیا حال ہوتا۔ آپؓ نے ذمی (غیر مسلم رعایا) اور مسلمان کے خون کو مساوی محترم قرار دیا۔ آپؓ نے وسیع و عریض سلطنت میں منادی کرادی کہ ''ذمیوں کے مال جان عزت و آبرو، ثقافت اور مذہب کو امان حاصل ہے''۔

آج کے حکمران جمہوریت کا وظیفہ کرنے والے اور نام نہاد انسانی حقوق کے محافظ اور علمبردار کے منہ پر زوردار طمانچہ ہے کشمیر برما فلسطین افغانستان عراق شام لیبیا وغیرہ میں لاکھوں بے گناہ لوگوں کے قاتل کس ڈھٹائی سے ایسا دعویٰ کرتے ہیں۔ تنظیمی عسکری جمہوری اور معاشرتی میدان میں جو کارہائے نمایاں آپؓ نے انجام دیے۔ تاریخ عالم اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ حال کے حکمرانوں کے لیے درج ذیل سطور میں فکرانگیز اور سبق آموز واقعہ کا ذکر ضروری ہے۔ جب بیت المقدس کے نصاریٰ نے اس شرط پر مسلمان سالاروں کے سامنے یہ مطالبہ پیش کیا کہ مسلمان خلیفہ خود آکر معاہدہ پر دستخط کرے تو وہ شہر مسلمانوں کے حوالے کرنے کے لیے تیار ہیں۔ المختصر خلیفہ عمرؓ اپنے غلام اسلم کے ہمراہ طویل سفر پر روانہ ہوئے سواری کے لیے ایک اونٹنی تھی آقا اور غلام باری باری اس پر سوار ہوتے۔ منزل مقصود پر پہنچنے سے پہلے مسلمان سالار فاتح شام حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں آپؓ سے ملے۔ انہوں نے آپ کے لیے ایک اچھا قیمتی لباس تیار کر رکھا تھا تاکہ عیسائی عمائدین کے سامنے خلیفہ کا اچھا لباس نہ ہونے کی بدولت سبکی نہ ہو، خلیفہ سے اصرار کیا کہ وہ زیب تن کرلیں مگر آپ نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ مسلمان کی عزت عظمت اسلام میں ہے نہ کہ اچھے ملبوسات میں۔ پھر انہوں نے اونٹنی کی بجائے ترکی النسل خوبصورت گھوڑے پر سوار ہونے کا تقاضا کیا۔ بادل نخواستہ تھوڑے فاصلے پر جانے کے بعد گھوڑے سے یہ کہہ کر اتر آئے کہ گھوڑے کی دُلکی چال سے تکبر کی بو آتی ہے چنانچہ اونٹنی پر سوار ہو کر منزل پر پہنچے تو سواری کی باری غلام کی تھی نصرانی عمائدین نے اونٹنی پر سوار غلام کا استقبال کرنا شروع کر دیا۔ انہیں بتایا گیا اونٹنی کی نکیل پکڑے ہوئے شخص خلیفہ ہے نصاریٰ نے انجیل میں پڑھ سن رکھا تھا کہ فاتح شام و بیت المقدس کی یہ نشانیاں ہوں گی وہ پوری ہوگئیں۔ معاہدے پر دستخط کرنے کے بعد واپسی سفر شروع ہوا۔ ایک وسیع و عریض بے آب و گیا ویرانے سے گزر ہوا

طویل سفر سے اونٹنی بھی تھکی ہوئی تھی آقا وغلام بھی تھک چکے تھے اونٹنی کو چرنے اور تازہ دم ہونے کے لیے چھوڑ دیا۔ ایسا علاقہ جہاں چرند پرند درند کا نام ونشان نہ تھا وہاں انسان کی موجودگی کسی کرامت سے کم نہ تھا غلام اسلم نے ایک ٹیلے پر نگاہ دوڑائی تو کافی فاصلے پر ایک خیمہ نظر آیا آقا وغلام دونوں اس طرف چل دیے غلام اسلم نے ایک درز سے جھانکا تو ایک بڑھیا کو بوریے پر لیٹے ہوئے دیکھا۔ آقا وغلام کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ قدموں کی آہٹ اور بولنے کی آواز نے ضعیفہ کو بولنے کا موقع دیا۔ کہا تم کون ہو اور کہاں سے آرہے ہو اور کہاں جارہے ہو۔ ضروری تعارف کے بعد کہنے لگی کہ بتاؤ کہ عمرؓ شام سے واپس چلا گیا ہے یا نہیں۔ اسے میرا پیغام دینا کہ میرے نان نفقے کا انتظام کرے۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ اس ویرانے میں یہ انتظام کیسے کرسکتا ہے آپ مدینہ چلیں وہاں سب کچھ ہوجائے گا۔ بے ساختہ بولی کیا یہ جگہ عمرؓ کی سلطنت میں شامل نہیں ہے؟ یہ الفاظ سن کر حضرت عمر رو پڑے اور اندر سے ٹوٹ پھوٹ ہوگئے۔ فوراً مدینہ پہنچ کر ضروری ساز وسامان ایک تیز رفتار ناقہ سوار کے ذریعے بڑھیا کی طرف روانہ کردیا اور جب تک زندہ رہے باقاعدگی سے ایسا کرتے رہے۔ بعد میں فرمایا کرتے حکمرانی کے گر کوئی ویرانے کی اس جانگلی عورت سے سیکھے۔ غالباً یہی احساس تھا کہ فرمایا کرتے اگر دریائے فرات یا نیل کنارے کوئی بھوکا پیاسا کتا بھی مرگیا تو عمرؓ پکڑ جائے گا۔ رات کو بھیس بدل کر مدینہ کے بازاروں اور گلیوں میں گشت کیا تاکہ خلق خدا کی خبر گیری کرسکیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہت صائب الرائے تھے آپ تدبر وتفکر زمین پر کرتے اور اوپر قرآن بن کر نازل ہوتا ہے تقریباً قرآن حکیم کی 22 آیات آپؓ کی سوچ وتفکر کی تائید میں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائیں ان کی تائید رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی۔ عمرؓ آئے بعد میں مگر نکل بہت آگے گئے۔ مریدانِ نبوت کے مقابلے میں مرادِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا سہرا سجالیا۔ اس سب کچھ کے باوجود عاجزی وانکساری کا پیکر تھے صحابہ رضی اللہ عنہم کی علمی فضیلت کا ذکر آتا تو اپنا شمار کسی درجے میں بھی نہ کرتے۔ ایک دن خطبے میں فرمایا: جس کو قرآن مجید کے بارے میں پوچھنا ہو تو وہ اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پاس جائے جس کو حلال حرام کے بارے میں معلوم کرنا ہو تو وہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے پاس جائے کسی کو میراث کوئی مسئلہ درپیش ہو تو وہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس

جائے اور جسے مال کی ضرورت ہو تو وہ میرے پاس آئے۔

زہد و تقویٰ اور ترک دنیا کا یہ حال تھا کہ بیت المال سے اپنا وظیفہ سب سے کم مقرر کیا سال میں کپڑوں کے صرف دو جوڑے ایک گرمیوں کا ایک سردیوں کا۔ یہ کپڑے موٹے کھردرے قسم کے ہوتے تھے۔(طبقات ابن سعد ج3) ؎

مٹادے اپنی ہستی کو گر کچھ مرتبہ چاہے کہ دانہ خاک میں مل کر گل گلزار ہوتا ہے

اگر کپڑے پھٹ جائے تو خود ہی پیوند لگا لیتے۔شام کے سفر میں ایسا ہی ایک بوسیدہ پیوندوں والا جوڑا زیب تن تھا۔

؎ دلِ بیدار فاروقی، دل بیدار کراری
مس آدمؑ کے حق میں کیمیا ہے دل کی بیداری
دلِ بیدار پیدا کر کہ دل خوابیدہ ہے جب تک
نہ تیری ضرب ہے کاری نہ میری ضرب ہے کاری

سوال پیدا ہوتا ہے کہ عمر کیا تھے؟ جواب ہے کہ عمر کیا کچھ نہ تھے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد آنے والوں کو تھکا دیا۔مرادِ مصطفےٰ عمر، فاروق عمر، مہاجر عمر، عالم عمر، زاہد عمر، مجاہد عمر، شاہد عمر، محدث عمر، مفکر عمر، مدبر عمر، محقق عمر، مفسر عمر، مؤرخ عمر، فاتح عمر، مصلح عمر، منتظم عمر، فقیر عمر، امت کی زنجیر عمر اور شہید عمر۔

سنوارا عدل و احسان کا چمن فاروقِ اعظم نے نکھارا زندگی کا بانکپن فاروقِ اعظمؓ نے
ممالک ہی نہیں قوموں کے دل تسخیر فرمائے دکھا کر شوکت دین فاروقِ اعظمؓ نے
تدبر و تحمل کا سبق دیکر مسلمان کو سکھایا زندہ رہنے کا چلن فاروقِ اعظمؓ نے
مصائب بیکسوں کے اپنی جان پر کھیل کر مٹائے قوم کے رنج و محن فاروقِ اعظمؓ نے

(حفیظ تائب)

اے عمرؓ تیری صداقت کو سلام تیری عظمت تیری شوکت کو سلام
قبر میں، جنت میں، دنیا میں بھی ساتھ اے عمرؓ تیری رفاقت کو سلام
قیصر و کسریٰ پر جس سے لرزہ تھا اس حمیت، شجاعت کو سلام

## اقوالِ زریں

☆ اللہ تعالیٰ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جو میرے عیبوں کی نشاندہی کرتا ہے۔

☆ طالب دنیا کو علم پڑھانا رہزن کے ہاتھ میں تلوار تھمانا ہے۔

☆ کسی کے اخلاق پر اعتماد نہ کر جب تک اسے غصے کی حالت میں نہ دیکھ لے۔

☆ ظالموں کو معاف کرنا، مظلوموں پر ظلم ہے۔ ☆ بدترین آوازیں دو ہیں: راگ اور نوحہ۔

☆ ہنسنے سے عمر کم ہوتی ہے اور رعب داب جاتا رہتا ہے۔

☆ ایمان کے بعد سب سے بڑی نعمت نیک عورت ہے۔

☆ کم بولنا حکمت، کم کھانا صحت، کم سونا عبادت اور لوگوں سے کم ملنا عافیت ہے۔

## احادیث کی روشنی میں

☆ حضرت اُبی ابن کعب رضی اللہ عنہ (زینت القراء) روایت کرتے ہیں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ امت میں پہلا شخص جس سے حق تعالیٰ عزوجل قیامت کے دن مصافحہ فرمائیں گے، عمر ہے۔ (ابن ماجہ)

☆ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے عمرؓ سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا۔

☆ آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر اُمت کا ایک محدث ہوتا ہے میری امت کا محدث عمر ہے مزید اضافہ فرمایا کہ محدث وہ ہوتا ہے جس کی زبان سے ملائکہ کلام کریں۔ (بخاری و مسلم)

☆ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرے دو وزیر آسمان پر ہیں اور دو زمین پر ہیں: آسمانی وزیر جبرئیل اور میکائیل ہیں اور زمینی وزیر ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔ (ترمذی)

☆ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم جبل اُحد پر تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ابوبکر، عمر اور عثمان تھے پہاڑ پر لرزہ طاری ہو گیا۔ آپ نے ٹھوکر مار کر پہاڑ کو حکم دیا کہ رک جا۔ تیرے اوپر ایک رسول، ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔

☆ حماد بن سلمہ روایت کرتے ہیں کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے ابوبکرؓ

سے محبت کی اس نے دین کو پالیا جس نے عمرؓ سے محبت کی اس نے راہ حق کا راستہ پالیا۔ جس نے عثمان سے محبت کی اس نے نور الٰہی سے نور حاصل کیا۔ جس نے علیؓ سے محبت کی اس نے مضبوط کڑے کو پکڑ لیا، جس نے صحابہ کے بارے اچھی بات کہی وہ نفاق سے پاک ہو گیا۔

☆ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دور خلافت میں کوفہ میں خطبہ دیا۔ اے لوگو! بلا شبہ اس امت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابو بکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم ہیں۔

☆ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں علم کا شہر ہوں ابو بکرؓ بنیاد، عمرؓ دیوار، عثمانؓ چھت اور علیؓ دروازہ ہیں۔

☆ عمرؓ اہل جنت کے سورج ہیں آسمان کے فرشتے عمرؓ کا ادب واحترام کرتے ہیں (کنز العمال)

☆ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دودھ نوش فرمایا بقایا دودھ عمر کو دیدیا اس کی تعبیر علم ہے۔

☆ عبداللہ بن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پاس جبرائیل آئے اور بتایا کہ عمرؓ کے قبول اسلام پر آسمان والوں نے خوشیاں منائی ہیں۔ (المستدرک)

☆ عقبہ بن عامرؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بعد اگر کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر ہوتا (ترمذی، مستدرک حاکم)

☆ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عمر رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام فتح اسلام، ہجرت نصرتِ الٰہی اور خلافت اللہ کی رحمت تھی۔

## کراماتِ فاروقی

☆ مدینہ میں زلزلہ آیا، عمر رضی اللہ عنہ نے زمین پر ٹھوکر مار کر فرمایا کہ کیا تجھ پر عمرؓ انصاف نہیں کرتا زلزلہ رک گیا۔

☆ دریائے نیل ہر سال خشک ہو جاتا، خوبصورت دوشیزہ کی قربانی لیکر بہاؤ میں آجاتا۔ دریائے نیل کے نام کاغذ کے ایک پرزے پر تحریر فرمایا: اگر تو اللہ کے حکم سے بہتا ہے تو بہنا شروع کر دے اگر اپنی مرضی سے تو کبھی نہ بہہ۔ پرزہ دریا میں ڈالنا تھا کہ بہنا شروع ہو گیا اور پھر آج تک خشک نہیں ہوا۔

☆ جب فتح ایران کے دوران نہاوند کی اہم جنگ لڑی جارہی تھی تو دشمن لشکر پہاڑ

کے عقب سے حملہ آور ہونا چاہتا تھا تو امیر لشکر حضرت ساریہؓ کو باخبر کیا کہ یا ساریة الجبل بچاؤ کا فوری قدم اٹھاؤ۔

☆ حجاز کی ویران واجاڑ گھاٹیوں سے اچانک آگ بھڑک گئی اور تیزی سے پھیلنے لگی۔ آگ کو اللہ تعالیٰ کا نام لے کر واپس دھکیل دیا۔

ہے بلندی سے فلک بوس نشیمن میرا
ابر کہسار ہوں گل پاش ہے دامن میرا
کبھی صحرا ، کبھی گلزار ہے مسکن میرا
شہر و ویرانہ مرا ، بحر مرا ، بن میرا (اقبال)

بقیہ از آزادیٔ کشمیر کا خواب پورا ہو کر رہے گا

جس غزوۃ الہند کا ذکر آیا اس کے مطابق ہند مفتوح ہو جائے گا اور شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے بقول ہندو اشرافیہ مسلمان ہو جائے گی، اس مبارک غزوہ کی شروعات پاکستان میں جاری فلمی اور کرکٹ سٹارز کا کلچر اور تہذیب سے کوئی مناسبت نہیں رکھتیں واہگہ بارڈر کے آر پار ایک کلچر، ایک طرح کے گانے، فلمی ستاروں کی ایک طرح سے چاہت نیز ہر بس، ہر MESS، ہر محفل اور ہر شو میں انڈین گانے اور ہالی وڈ و بالی وڈ کی شہرت یافتہ طوائفوں سے محبت کے ماحول میں پاکستان سے اسلامی فاتح قوت کا اُٹھنا ناممکن نہیں تو محال ضرور نظر آتا ہے۔ آپ شاید ناراض ہوں ذرا آج کے کشمیر کے جلتے اور سلگتے موضوع کے عین جوبن پر لاہور شہر میں میوزیکل فیسٹیول کا جشن کس بات کی گواہی دے رہا ہے۔ جو دانشور یہ سمجھتے ہیں کہ 65ء کی جنگ 'نور جہاں کے گانوں' سے جیتی گئی تھی اور غزوۃ الہند آج کے اخلاق باختہ فلمی ستاروں اور میوزیکل فیسٹیول سے لڑی جائے گی ان کی بات اور ہے مگر یہ پہلو دو قومی نظریہ، مسلمانانِ پاکستان کی اجتماعی اُمنگوں اور پیغامِ پاکستان کے واضعین کے دعووں کے سراسر خلاف ہے۔ یہ بات ہماری اشرافیہ اور دانشور حضرات کو جتنی جلدی سمجھ آجائے اتنا ہی جلدی غزوۃ الہند کا خواب حقیقت بنتا نظر آئے گا۔

# ڈاروِن کا نظریۂ ارتقاء: ایک خطرناک دھوکہ

1

ڈاکٹر محمد سرشار خان
(بشکریہ ماہنامہ میثاق لاہور، جولائی 2019ء)

دورِ حاضر میں مسلم اُمہ کو درپیش بڑے چیلنجز میں ڈارون کا نظریۂ ارتقاء نہایت اہمیّت کا حامل ہے۔ یہ ایسا نظریہ یا عقیدہ ہے جسے ماننے والا خالقِ کائنات کے وجود کا انکاری ہو جاتا ہے۔ اس نظریے کو عالَمِ کفر نے درسی کتب، نشر و اشاعت اور وسیع پیمانے پر پروپیگنڈا کے ذریعے عالَمِ اسلام میں اتنا پھیلا دیا ہے کہ اکثر پڑھے لکھے مسلمان بھی دانستہ یا نادانستہ طور پر اس بے بنیاد نظریے سے متأثر نظر آتے ہیں۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ حکومتی سطح پر یا مذہبی حلقوں کی جانب سے اسلام پر اس خطرناک ملحدانہ جارحیت کا کوئی مؤثر دفاع نہیں کیا جا رہا۔ اس مضمون میں ہم ڈارون کے نظریۂ ارتقاء کی حقیقت کے بارے میں گفتگو کریں گے۔

## ڈارونزم یا نظریۂ ارتقاء (Evolution Theory) کیا ہے؟

انسان اپنے فطری تجسّس کے تحت ہمیشہ اس سوال کا جواب تلاش کرتا آیا ہے کہ کرۂ ارض پر جاندار اشیاء کیسے وجود میں آئیں۔ اس سوال کے دو ہی ممکنہ جواب ذہن میں آتے ہیں۔ پہلا یہ کہ سب کچھ خالق کائنات نے پیدا فرمایا ہے۔ دوسرا یہ کہ کسی اتفاقی حادثہ کے نتیجے میں زمین پر موجود غیر جاندار عناصر و مرکّبات کے باہم ملنے سے زندگی کی سادہ شکل خود بخود وجود میں آ گئی، جو کروڑوں سال گزرنے کے بعد ارتقائی منازل طے کر کے موجودہ مقام تک پہنچ گئی۔ اس

کے علاوہ بھی آپ کو قدیم ہندو اور یونانی فلسفہ میں زندگی کی پیدائش کے بارے میں عجیب وغریب بے سروپا باتیں ملیں گی جو کہ آج کے دور میں درخورِ اعتناء نہیں سمجھی جاتیں۔

موجودہ دور میں سب سے پہلے 1809ء میں ایک فرانسیسی عالم لامارک (Lamarck) نے پہلی بار نظریۂ ارتقاء پیش کیا۔ اس کے خیال میں حیوانی جسم میں ہونے والی معمولی تبدیلیاں یا خاصیتیں اگلی نسل میں منتقل ہوجاتی ہیں۔ مثلاً اس کے مطابق حصولِ بقا کے لیے زرافے کی گردن رفتہ رفتہ لمبی ہوتی گئی تاکہ وہ اونچے درختوں سے حصولِ غذا کرسکے، کیونکہ چھوٹی گردن کے جانور نیچے سے سب کچھ چٹ کر جاتے تھے۔ تاہم یہ نظریہ جلد ہی دم توڑ گیا، کیونکہ جب بیسوی صدی کے وسط میں جینوم اور وراثت (Genetic and Heredity) کے قوانین دریافت ہوئے تو معلوم ہوا کہ جاندار کے ہر خلیہ (cell) کے مرکزہ (Nucleus) میں اس جاندار کے DNA کا ڈھانچہ موجود ہے جس میں اس جاندار کے بارے میں ساری اطلاعات درج ہوتی ہیں اور اگلی نسل میں منتقلی کے دوران اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوتی۔ بالفاظِ دیگر اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ زرافے کی گردن اس کی تمام زندگی میں ایک دو انچ بڑھ بھی گئی تھی تو یہ خصوصیت اس کی اگلی نسل میں منتقل نہیں ہوگی۔

اس کے بعد 1859ء میں ایک برطانوی ماہر طبیعی علوم چارلس ڈارون نے اپنی مشہور کتاب Origion of Species لکھی۔ اس میں اس نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ تمام ذی حیات کی اقسام نے ایک ہی جد اعلیٰ سے نزول (descend) کیا۔ ڈارون کے مطابق کروڑوں سال پہلے مناسب سازگار ماحول میسر ہونے کی وجہ سے حادثاتی اور اتفاقی طور پر مادی عناصر کے باہم ملاپ سے پہلا خلیہ (living cell) یا جرثومہ پیدا ہوگیا اور آج حیوانات ونباتات کی تمام انواع (species) اس جرثومے سے ارتقا پذیر ہوکر کرۂ ارض پر موجود ہیں۔ ڈارون نے مزید کہا کہ ان ذی حیات انواع نے کروڑوں سالوں کے دوران ماحول اور حالات کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالتے ہوئے بتدریج ارتقائی منازل طے کیں۔ ڈارون نے بقا کے سلسلہ میں قدرتی انتخاب پر زور دیا ہے۔ اس کے مطابق زندگی میں طاقتور کی ہی جیت ہوتی ہے۔ Survival of the Fittest یعنی جو مضبوط ہوگا اور ماحول کے مطابق اپنے آپ کو ڈھال لے گا وہی باقی رہے گا۔

اب ہم ان علمی تنازعات پر بحث کریں گے جو ڈارون تھیوری یا نظریۂ ارتقا پر غور وفکر

سے جنم لیتے ہیں۔اس سے ہمیں علم ہوگا کہ یہ نظریہ کتنا بے بنیاد، باطل اور گمراہ کن ہے۔

## کرۂ ارض پر زندگی کا آغاز

دلچسپ بات یہ ہے کہ ڈارون نے اپنی کتاب میں زندگی کی ابتداء کے متعلق کوئی وضاحت پیش نہیں کی۔ یہاں یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ اپنے پیش کردہ نظریات کے ضمن میں ڈارون کے اپنے ذہن میں کئی سوالات اُبھرے تھے جن کا وہ اپنی زندگی میں کوئی ٹھوس مثبت جواب نہیں دے سکا اور اس نے اپنی ساری امیدیں آنے والے سائنس دانوں سے لگا دیں کہ ان کے تجربات ومشاہدات اس کے نظریات کو تقویت دیں گے۔

ڈارون کی کتاب منظر عام پر آنے کے پانچ سال بعد ہی مشہور عالم ماہر حیاتیات لوئی پاسچر (Louis Pasteur) نے اپنی تحقیق وتجارب سے یک لخت خود بخود پیدائش کے دعویٰ کو غلط ثابت کر دیا جو کہ ڈارون تھیوری کی عمارت کا بنیادی پتھر تھا۔

آج کا سائنس دان جدید ٹیکنالوجی اور اعلیٰ ترین تجرباتی سہولیات کے باجود اپنی لیبارٹری میں ایک بھی زندہ خلیہ نہیں بنا سکا بلکہ اب ایسی تمام کوششیں بند کر دی گئی ہیں۔ڈارون کے مطابق پہلا زندہ خلیہ قدیم موافق ارضی ماحول کے زیر اثر اتفاقی طور پر وجود میں آ گیا تھا۔اس بات پر ڈارون کے زمانے میں تو کچھ ناسمجھ لوگوں نے یقین کر لیا تھا' کیونکہ اس وقت خلیہ کی پیچیدہ ترین ساخت کا انسان کو علم نہیں تھا۔ یہ تو اب معلوم ہوا ہے کہ دنیا کی بڑی سے بڑی فیکٹری بھی کسی چیز کی تیاری کے سلسلے میں وہ افعال اتنی عمدگی اور کاملیت کے ساتھ سرانجام نہیں دے سکتی جو ایک سادہ سے سادہ خلیہ میں ہمہ وقت جاری وساری رہتے ہیں۔ڈبلیو ایچ تھارپ (W H Thorp) جو ایک ماہر ارتقاء ہے، اعتراف کرتا ہے کہ ''سب سے کم تر ابتدائی قسم کا خلیہ بھی ایسا نظامِ عمل رکھتا ہے کہ اس سے زیادہ پیچیدہ مشین انسانی دماغ نے آج تک نہ سوچی اور نہ ہی بنائی ہے''۔

خلیہ کی مثال ایک بہت بڑے شہر کی ہے، جس کی اپنی فصیل ہے، آنے جانے کے راستے ہیں، جہاں سیکورٹی کا سخت انتظام ہے۔انتظامیہ کا مرکزی کنٹرول روم ہے، جو شہر کی مختلف فیکٹریوں میں ہونے والی پیداوار کو کنٹرول کرتا ہے۔توانائی پیدا کرنے کا اپنا نظام ہے حتی کہ کچرا وغیرہ ٹھکانے لگانے کا زبردست سسٹم ہے۔اپنا دفاعی، مواصلاتی اور نقل وحمل کا نظام بھی ہے۔

اندرونی معاملات کے علاوہ یہ شہر دوسرے شہروں سے بامقصد رابطے میں رہتا ہے اور پورے ملک یعنی جسم سے ملنے والے احکامات اور اطلاعات پر بھی عمل کرتا ہے۔ اس کے علاوہ اَن گنت دوسرے افعال ہیں جن پر تحقیق جاری ہے اور خلیہ کے اسرار و رموز سے پردے اٹھائے جا رہے ہیں۔ خلیہ تو خیر بہت بڑی چیز ہے، ایک خلیے کی تشکیل میں جو میٹیریل یا building blocks استعمال ہوتے ہیں اس کی ایک اینٹ بھی اتفاقیہ طور پر بننا محال ہے۔

خلیے کے بنیادی اجزا میں لحمیات (Proteins) ہوتے ہیں۔ یہ بہت بڑے بڑے سہ رخی سالمات (three dimensional molecules) ہیں جو مزید چھوٹے چھوٹے یونٹس سے مل کر بنتے ہیں۔ ان واحدات (units) کو امینوایسڈز (amino acids) کہتے ہیں۔ کل 22 قسم کے امینوایسڈز ہیں جن کی مختلف ترتیب سے لاکھوں قسم کی پروٹین بنتی ہیں۔

سب سے سادہ مختصر پروٹین میں بھی 50 کے قریب امینوایسڈ ہوتے ہیں جبکہ بعض پروٹین کے سالمے اتنے بڑے ہوتے ہیں کہ ان میں ہزاروں امینوایسڈ ایک خاص ترتیب میں موجود ہوتے ہیں۔ اگر ان میں سے ایک امینوایسڈ بھی غلط مقام پر اور غلط طریقے سے جڑ جائے تو پروٹین کی تمام ساخت بیکار بلکہ زندگی کے لیے ضرر رساں ہو جاتی ہے۔

ایک سادہ سی مثال لیں ایک اوسط سائز کی پروٹین کے سالمے کو جس میں 12 مختلف اقسام کے 288 امینوایسڈز ہوتے ہیں جنہیں $10^{300}$ مختلف طریقوں سے ترتیب دیا جا سکتا ہے۔ ان تمام ممکنات میں سے صرف ایک ترتیب سے ہی مطلوبہ پروٹین کا سالمہ بن سکتا ہے۔ ذرا غور فرمائیں۔ 10 کے آگے 300 صفر لگائیں اور پھر ان کی گنتی کریں۔ یہ بہت ہی بڑا عدد ہے۔ علم امکانیات کی رو سے $10^{50}$ سے زیادہ کی امکانیات عملی طور پر نہ ہونے کے برابر ہے۔ یہ صرف ایک پروٹین کا معاملہ ہے جبکہ ایک خلیہ میں سینکڑوں بلکہ ہزاروں پروٹین ہوتی ہیں۔ لہٰذا یہ کہنا کہ یہ خلیہ اتفاقی طور پر وجود میں آ گیا ہوگا بعید از امکان ہے۔ یہ بات کئی ماہرین ارتقاء نے بھی تسلیم کی ہے۔ فزیالوجسٹ ہیرلڈ ایف بلم (Harold F Blum) کہتا ہے: ''ایک مرکب پروٹین (Polypeptide) کا یکلخت وجود میں آنا، خواہ وہ چھوٹی پروٹین ہی کیوں نہ ہو، ناممکن ہے''۔

نیویارک یونیورسٹی کے کیمیا کے پروفیسر اور DNA ایکسپرٹ رابرٹ شیفرڈ

(Robert Shephard) کے مطابق ایک بیکٹیریم میں تقریباً 2000 اقسام کی پروٹین ہوتی ہیں (انسانی خلیہ میں دو لاکھ مختلف اقسام کی پروٹین ہوتی ہیں)۔ حساب کی رو سے ایک خلیہ بننے کا امکان ایک کے ہندسے کے بعد چالیس ہزار صفر لگانے کے برابر ہے۔ عملی حساب (Applied Mathematics) کے پروفیسر چندر وکرم سنگھ، جو ویلز کے کارڈف کالج میں نجوم وعلم الحساب کے استاد تھے، کے بقول ''یہ امکان کہ زندگی اچانک یک لخت بے جان مادوں کے ملنے سے بنی یا پیدا ہوئی، ڈارون اور اس کے نظریہ کو دفن کرنے کے لیے کافی ہے۔ کوئی ایسا قدیم محلول یا شوربہ اس زمین پر یا کسی اور سیارے پر (جس میں زندگی کی ابتداء ہوئی ہوتی) موجود نہیں۔ لہٰذا اگر زندگی اتفاقاً (at random) پیدا نہیں ہوئی تو ظاہر ہے کہ وہ ایک بامقصد ذکا وفہم کا نتیجہ ہے''۔

سر فریڈ ہوئل ان ناممکن اور ناقابل یقین نمبروں کے حوالے سے کہتا ہے: ''درحقیقت یہ نظریہ کہ زندگی کسی ذکا وفہم اور بڑے عظیم فنکار کی تخلیق کا نتیجہ ہے، اس قدر معتبر اور واضح ہے کہ اس امر پر حیرت ہوتی ہے کہ اتنی معمولی بات لوگوں کو کیوں سمجھ نہیں آتی اور لوگوں میں مقبول کیوں نہیں ہوتی جبکہ وہ اپنی شہادت آپ ہے۔ اس عدمِ اعتراف کے اسباب علمی کی بجائے نفسیاتی زیادہ ہیں''۔

1999ء میں سائنس نیوز (Science News) کے جنوری کے شمارے میں ایک مضمون شائع ہوا تھا جس کا لب لباب یہ تھا کہ ابھی تک کوئی ایسی تفسیر پیش نہیں ہوئی جو یہ واضح کر سکے کہ امینوایسڈز کس طرح پروٹین میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ دورِ قدیم میں تو متوقع حالات میں امینوایسڈ بکھر گئے ہوتے اور ہر ایک علیحدہ ہوتا۔

امینوایسڈز پر تحقیق کے دوران معلوم ہوا کہ پروٹین خواہ پودوں کی ہوں یا جانوروں کی، ان سب کی تعمیر میں صرف بائیں بازو کے امینوایسڈز حصہ لیتے ہیں (امینوایسڈز کی ساخت کے حوالے سے دو اقسام ہیں جو ایک دوسرے کا آئینہ دار عکس (Mirror Image) ہیں۔ اگر پروٹین کی تشکیل کے دوران ایک بھی دائیں بازو والا امینوایسڈ پروٹین کے جسم سے جڑ جائے تو وہ پروٹین فوراً ناکارہ/ضائع ہو جاتی ہے۔ اسی طرح Nucleotide (نیوکلیائی فاسفورس گروپ سے منسلک ایک نامیاتی مرکب) جو کہ Nucleic Acid, DNA, RNA کے متعلق ہے۔ اس میں پروٹین کے بالکل برعکس صرف داہنے ہاتھ کے امینوایسڈ استعمال ہوتے ہیں۔ کیا درج بالا دونوں حقیقتوں

کی ''اتفاق'' کے فارمولے سے تشریح کی جاسکتی ہے؟

برٹانیکا سائنس انسائیکلوپیڈیا وہ صریح کتاب ہے جو کھلم کھلا نظریۂ ارتقاء کی پرزور حامی ہے۔ وہ بھی یہ کہنے پر مجبور ہے کہ کائنات میں سارے زندہ اجسام اور انہیں تعمیر کرنے والی پروٹین کے بلاک سب مرکب سالمات کے جڑنے سے بنے ہیں، ان سب میں بائیں بازو کی ترتیب موجود ہے۔ یہ بالکل اسی طرح ہے کہ ایک سکہ لاکھ مرتبہ اچھالا جائے اور ہمیشہ سر (head) ہی اوپر آئے۔ یہی انسائیکلوپیڈیا لکھتا ہے کہ ''یہ سمجھ میں آنا ناممکن نظر آتا ہے کہ آخر کیوں یہ سالمات بائیں بازو یا دائیں بازو والے ہوجاتے ہیں۔ جب زمین پر زندگی کی ابتدا کا سوال اٹھتا ہے تو یہ سالماتی پسند ناپسند بے حد حیرت انگیز اور آنکھوں کو خیرہ کردینے والی ہے''۔

معاملہ یہ ہے کہ اگر درج بالا واقعات اتفاقی نہیں ہیں اور ناممکنات میں سے ہیں، اس کے باوجود بھی وہ موجود ہیں، تو مان لینا چاہیے کہ اس کے پیچھے کسی زبردست معاملہ فہم حکیم یا غیبی طاقت کا ہاتھ ہے۔ لیکن اصل المیہ یہی ہے کہ جواب کتنا ہی واضح اور مدلل کیوں نہ ہو، ڈارون کے پیروکار حقیقت کو تسلیم کرنے سے انکاری ہی رہیں گے۔

ارضی کیمیا کے ماہر جیفری بارا، جن کا تعلق سان ڈیاگو کے سکرپس علمی ادارے سے تھا علمِ ارتقاء کے مبلغوں کی ناکامی اور معذوری کا اظہار اس طرح کرتے ہیں: ''آج جب ہم بیسویں صدی کو چھوڑ رہے ہیں تو آج بھی ہمارا سامنا اسی مشکل سے ہے جو اُس وقت بھی ویسے ہی بغیر حل کے تھی جب ہم نے بیسویں صدی شروع کی تھی کہ زمین پر زندگی کس طرح وجود میں آئی۔'' اگر چند لمحوں کے لیے یہ مان بھی لیا جائے کہ ایسا کوئی خلیہ اتفاقاً وجود میں آ گیا ہوگا تو ایک قانونِ قدرت (Thermodynamics) کے تحت چند دنوں یا ہفتوں بعد فرسودگی اور شکست وریخت کا شکار ہوکر ختم ہوگیا ہوگا۔ کیونکہ خلیہ پیدا ہونے کے ساتھ ہی اس میں یہ صلاحیت کیسے پیدا ہوگئی کہ وہ اپنی نسل بڑھانے کے لیے خود بخود مزید پیدائش کا عمل شروع کردے۔ اب اگر اسے بھی اتفاق کا نام دے دیں تو پھر اپنا سر ہی پیٹا جاسکتا ہے۔

چلیے یہ بھی مان لیتے ہیں۔ لیکن جب پہلا خلیہ تشکیل کے مراحل سے گزر رہا ہوگا اور پروٹین کا سالمہ بن بھی گیا ہوگا تو فضا میں موجود آکسیجن کی وجہ سے اس پروٹین کی تکسید

(Oxidation) ہوگئی ہوگی اور وہ ختم ہوگیا ہوگا۔ اگر چہ یہ تسلیم کرنا بہت مشکل ہے لیکن مان لیتے ہیں کہ اس وقت فضا میں آکسیجن ($O_2$) کی مقدار بھی بہت کم ہوگی تو اس صورت میں فضا میں اوزون (O) کی مقدار بھی بہت کم ہوگی۔ فضا میں اوزون کی تہہ سورج کی الٹرا وائلٹ شعاعوں (ultra violet rays) کو زمین پر اترنے سے روکتی ہے۔ اس صورتحال میں وہ خلیہ ان شعاعوں کی زد میں آکر موت کے گھاٹ اتر گیا ہوگا۔

غرض ہم خلیہ کے افعال کے پیچیدہ، مربوط اور عظیم الشان ہونے کے جتنے چاہیں ثبوت دیں دوسری طرف سے ''میں نہ مانوں'' کی رٹ لگی رہے گی۔ یہ نظریہ دورِ جدید میں عالمانہ سطح کی عظیم ترین ہٹ دھرمی اور تعصب کی بھیانک مثال ہے جو یورپ سے اُبھرنے والے سائنسی اور دیگر علوم کی صداقت پر بھی سوالیہ نشان بن گیا ہے، کیونکہ نظریۂ ارتقاء کے حامیوں کے دلائل قدیم دیومالائی کہانیوں کی طرح بودے اور مضحکہ خیز لگتے ہیں جن کی کوئی علمی بنیاد نہیں جبکہ سائنسی نقطہ نظر سے کسی نظریے کی حقیقت اور سچائی کا دارومدار اس سے متعلقہ تجربات ومشاہدات کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ ڈارون کا نظریۂ ارتقاء کسی پہلو سے بھی مروّجہ معیارات پر پورا نہیں اترتا۔ پھر بھی اسے ایک سائنسی صداقت کے طور پر ایک منظّم تحریک کے ذریعے پوری دنیا میں پھیلایا جارہا ہے۔

## میوٹیشنز (Mutations)

جب جدید علوم (Genetics & Heredity) کی بنیاد پر یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی کہ ارتقا بذریعہ قدرتی انتخاب (Evolution through Natural Selection) ناممکن ہے تو ڈارونزم کے حامیوں نے اس مردے میں نئی روح پھونکنے کے لیے 1941ء میں امریکی علوم طبقات الارض (GSA) کے زیر اہتمام ایک انٹرنیشنل کانفرنس بلائی۔ ان علما وسائنس دانوں نے جینومی پائیداری (Genetic Stability) کے توڑ کے لیے ''میوٹیشن'' کی اصطلاح ایجاد کی۔ ان کے نزدیک میوٹیشن ایسا جینیاتی عمل ہے جو اگلی نسل میں منتقل ہوکر توراثی تبدیلیاں پیدا کرسکتا ہے۔ ہم ایسے بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہ وہ پیدائشی جسمانی ''نقائص'' ہیں جو تابکاری اور دیگر نامعلوم وجوہات کی بنا پر اگلی نسل میں پیدا ہوجاتے ہیں۔ یہ اچانک تبدیلیاں خلیہ یا والدین کے genetic code میں درج معلومات سے بالکل مختلف ہوتی ہیں۔ اسے بنیاد بنا کر اس نظریے کو

آگے بڑھایا گیا کہ ارتقائی عمل میوٹیشنز کے ذریعے زندہ اشیاء میں مفید تبدیلیوں کی بنا پر آگے بڑھا۔ دور جدید میں اس کی بھی واضح تردید ہوگئی ہے۔ کیونکہ میوٹیشن سے کبھی بھی مفید تبدیلیاں وجود میں نہیں آئیں اور نہ ہی یہ عمل اتنا عام ہے کہ وسیع پیمانے پر ہو، ورنہ ہر زندہ چیز ان تبدیلیوں کے ذریعے (جو ہمیشہ نقصان دہ ثابت ہوئی ہیں) تباہ ہو جاتی۔

میوٹیشنز کا اثر کوئی ناگاساکی، ہیروشیما اور چرنوبل کے متاثرین سے پوچھے جو خوفناک جسمانی نقائص کے ساتھ پیدا ہو کر موت کے گھاٹ اتر گئے۔ اس کے ''مفید اثرات'' کا اس کسان سے بھی پوچھا جا سکتا ہے جس کے باڑے میں 5 ٹانگوں والے بچھڑے یا دوسروں والے میمنے کی پیدائش ہوئی ہو۔ دراصل ہر خلیے کے مرکز میں DNA کا ڈھانچہ اتنا منظّم اور پیچیدہ ہوتا ہے کہ کوئی بھی بے ترتیبی اور بے تکی تبدیلی اسے صرف نقصان ہی پہنچا سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لیبارٹری میں میوٹیشنز کے ذریعے تبدیل شدہ زندہ اجسام اکثر بانجھ ہوتے ہیں اور ذہنی و جسمانی عوارض کا شکار ہو کر جلد ہی مر جاتے ہیں۔ یہ بھی تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ میوٹیشن کے ذریعے تبدیلیاں اگلی نسل تک نہیں پہنچ پاتیں۔ سائنسی جریدہ Science (2017) میں کہا گیا کہ DNA میں بے ترتیب جینیاتی تبدیلیاں جن کا وراثت یا ماحولیاتی عوامل سے کوئی تعلق نہیں ہوتا وہ انسانی خلیات میں دو تہائی کینسر کا باعث بنتی ہیں۔ گویا میوٹیشن مفید ہونے کی بجائے ایک تباہ کن عمل ہے۔

## نظریہ کی مشکلات (ڈارون کی کتاب کا ایک باب)

خود ڈارون لکھتا ہے ''اگر ان سب جانداروں کی انواع (species) دوسری انواع سے بے حد نفیس اور تدریجی مدارج الا ارتقاء سے اس منزل تک پہنچی ہیں تو پھر ہمیں قدم بہ قدم اور ہر جگہ لاتعداد عبوری اشکال (ایک نوع کے دوسرے نوع میں تبدیل ہوتی ہوئی درمیانی شکلیں /اجسام) ملنی چاہئیں لیکن اس کے برعکس ہر جاندار نوع بے حد مکمل اور واضح ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ حالانکہ نظریہ ارتقا کے مطابق تو لاتعداد عبوری شکلیں لازماً موجود ہونی چاہئیں تھیں۔ وہ ہمیں طبقات الارض کی پرتوں میں کیوں نہیں ملتیں؟ یہ ایسی مشکل تھی جس نے طویل عرصے تک مجھے حیران و پریشان رکھا''۔ اس مشکل سوال کا وہ خود جو جواب دیتا ہے وہ یہ ہے کہ ابھی تک دریافت ہونے والے حجری آثار (Fossils) کا ریکارڈ نامکمل اور ناکافی ہے۔ اس کے مطابق جب یہ

ریکارڈ مکمل ہو جائے گا تو ان میں گمشدہ درمیانی کڑیاں ضرور مل جائیں گی۔ اس طرح ڈارون نے اپنے نظریے کی سچائی کا سارا دارومدار مستقبل میں دریافت ہونے والے فوسلز سے ملنے والے متوقع ثبوتوں پر رکھ دیا اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ ''اگر میرا نظریہ صحیح ہے تو یہ فوسلز ضرور ملیں گے'' ڈارون کی بدقسمتی کہ اب تک لاکھوں حجری آثار دریافت ہو چکے ہیں لیکن ان سے ڈارون کے نظریے کو تقویت کی بجائے نقصان ہی پہنچا ہے۔

## ڈارونزم۔ منکرین خدا کا بدعقیدہ

حیرت ہے کہ جس نظریے کے متعلق ڈارون خود بھی پوری طرح مطمئن نہیں تھا اس کی اشاعت و تبلیغ ایک منظّم انداز میں بڑے شدومد کے ساتھ ایک مسلمہ سائنسی حقیقت کے طور پر مسلسل جاری ہے، حالانکہ اسے ہر علمی اور عقلی محاذ پر شکست کا سامنا ہے۔ ڈارون کو یہ بات بھی پریشان کرتی رہی کہ مرکب پیچیدہ جسمانی اعضاء مثلاً آنکھ، کان وغیرہ خود بخود اتفاقیہ مثبت تبدیلیوں سے کیسے وجود میں آ گئے اور تبدیلی یا ارتقاء کے کروڑوں سالوں پر محیط دور کی کوئی درمیانی نامکمل اشکال کیوں نہیں ملتیں؟ پھر ان تبدیلیوں کے ساتھ یعنی ادھورے اعضا کے ساتھ وہ زندہ کیسے رہے؟ مثلاً مکمل آنکھ بننے تک یہ جانور کیسے دیکھتے تھے یا نہیں دیکھتے تھے تو زندگی کیسے گزارتے تھے۔ اسی طرح ایک ڈائنوسار مکمل پرندہ بننے تک اپنے نامکمل پروں کے ساتھ کیسے پرواز کرتا رہا؟ یا وہ ڈائنوسار اپنے اگلے نامکمل ہاتھوں (نامکمل پروں) کی وجہ سے کیسے چلتا تھا اور شکار کرتا تھا؟

ڈارون نے 3 اپریل 1860ء کو اپنے دوست آسا گرے کو لکھے خط میں اعتراف کیا:

''وہ وقت مجھے خوب یاد ہے جب آنکھ کی بناوٹ کا خیال مجھے سرتاپا سرد کر دیتا تھا۔ لیکن پھر میں نے اس مشکل پر قابو پالیا'' (کس طرح قابو پایا یہ کہیں بیان نہیں ہوا)۔ اس خط میں وہ لکھتا ہے:

''.....لیکن اب ایک معمولی اور بے قدر چیز یا ساخت مجھے اکثر بے چین کر دیتی ہے اور وہ ہے مور کی دم کے پر۔ جب میں ان کو دیکھتا ہوں تو یہ چیز مجھے بیمار کر دیتی ہے۔''

## ''بقائے اَصلح'' یا قدرتی انتخاب

ڈارون کے اصول ''بقائے اصلح'' (Survival of the fittest) کو دیکھا جائے تو زمین پر کمزور جانوروں کا وجود ختم ہو جانا چاہیے، لیکن ایسا نہیں ہے۔ گہرے اندھیرے سمندر میں

ایک نابینا مچھلی پائی گئی ہے جو سونار (ریڈار) اور برقی سگنلز کے ذریعے دیکھنے اور شکار کرنے والی دیگر مچھلیوں کے ساتھ لاکھوں سالوں سے رہتی آ رہی ہے۔ نابینا سانپ ایک قسم کی چھپکلی ہے جس کے ہاتھ پاؤں نہیں ہوتے۔ اس مخلوق کی زندگی مشکلات سے پُر ہوتی ہے۔ اس کے باوجود نہ تو یہ معدوم ہوئی ہے نہ ہی ارتقا پذیر ہو کر چھپکلی بن گئی ہے۔ اسی طرح آسٹریلیا میں پایا جانے والا ایک سیہ (خارپشت) کنگرو کی طرح ایک تھیلی میں بچے کی پرورش کرتا ہے۔ یہ اپنے جسم میں اب تک کیوں تبدیلی نہیں لا سکا کہ دیگر خارپشتوں کی طرح آرام سے بچوں کو جنم دے سکے۔ دراصل اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی مصلحت کے تحت جو چیز جیسی بنائی ہے، وہ ویسے ہی موجود ہے۔ اس میں خود بخود کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔

## حجری آثار (Fossils) کیا ہیں؟

لاکھوں کروڑوں سال پہلے مرے ہوئے اجسام / آثار جو ہمیں زمین کی تہوں میں دبے ہوئے ملتے ہیں انہیں ''فاسلز'' (حجری آثار) کہا جاتا ہے۔ فاسلز کئی طریقوں سے معرضِ وجود میں آتے ہیں۔ زیادہ تر اس وقت تشکیل پاتے ہیں جب پودے یا جانور کسی آبی ماحول میں دریا یا سمندر کنارے کیچڑ یا مٹی میں دفن ہو جاتے ہیں۔ ان کے نرم اجزاء تو گل سڑ جاتے ہیں، لیکن سخت حصے مثلاً ہڈیاں، سیپیاں، گھونگھوں کے خول وغیرہ وقت کے ساتھ ساتھ اوپر جمی مٹی اور ریت کی پرتوں اور سخت دباؤ سے کروڑوں سالوں کی ارضی تبدیلیوں کی بنا پر پتھر کی شکل اختیار کر لیتے ہیں، جو زلزلوں اور دیگر ارضیاتی تبدیلیوں کی وجہ سے سطحِ زمین پر نمودار ہو جاتے ہیں۔ پتھر کا کوئلہ فاسلز کی عام مثال ہے جو کروڑوں سال پہلے درختوں کے زیرِ زمین دفن ہونے کی بنا پر وجود میں آیا۔

ڈارون کے علاوہ معروف ماہر فاسلز فرانسس پیاال گراس کہتا ہے ''علم طبیعیات کے ماہرین کو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ارتقاء کے مراحل صرف فاسلز کی اشکال سے ہی ثابت کیے جا سکتے ہیں اور علم آثارِ حجری ہی ارتقاء اور اس کے قدم بقدم مرحلہ وار جزوی مراحل پر روشنی ڈال سکتا ہے''۔ اصل صورت حال یہ ہے کہ اب تک کروڑوں کی تعداد میں فاسلز تمام دنیا سے دریافت ہو چکے ہیں، جن میں سے ڈھائی لاکھ اقسام پہچان لی گئی ہیں۔ ان میں سے ڈیڑھ لاکھ شناخت شدہ اقسام اب بھی دنیا میں آباد ہیں ان میں ایک لاکھ کے قریب کیڑے مکوڑے ہیں جو آج بھی اسی حالت اور شکل وصورت میں موجود ہیں جیسے کروڑوں سال پہلے تھے۔

رابرٹ کیرول جو علم ارتقاء پر حرفِ آخر ہیں اپنی ایک تصنیف میں رقمطراز ہیں:
''حالانکہ آج کل لاتعداد جانوروں کی انواع اسی دنیا میں آباد ہیں مگر وہ ذرّہ برابر بھی درمیانی چیز پیش نہیں کرتیں جو متمیّز بھی ہو۔ اس کے برعکس وہ سب کے سب (بحیثیت ایک مکمل نوع کے) پہچانے جاسکتے ہیں''۔ اور نائلز ایلڈرج معروف امریکی ماہر طبقات الارض ہے۔ وہ ڈارون کے دعووں کی غیر موزونیت اور بودے پن پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ''تمام فاسلز ریکارڈ ثابت کرتے ہیں کہ ارتقاء کے حوالے سے کوئی عبوری شکلیں اور درمیانی کڑیاں موجود نہیں ہیں''۔

جیفری لونسٹون نے حجری آثار کے حوالے سے اس حقیقت کا اعتراف کیا کہ ''کوئی خاص چیز اور بے حد مخفی و باطنی مگر بے حد تخلیقی قوت موجود ہے جو اس عمل کی ذمہ دار ہے''۔

قرآن حکیم میں بھی اللہ تعالیٰ بار بار کائنات اور اس کی مخلوقات میں غور و فکر کا حکم دیتے ہیں؛ کیونکہ اس غور و فکر کے بعد انسان اسی نتیجے پر پہنچتا ہے جس پر ہر صاحب علم اور باشعور انسان کو پہنچنا چاہیے کہ یہ سب کچھ خود بخود نہیں بن گیا۔ اس کے پیچھے کوئی بے حد عظیم تخلیقی قوت موجود ہے۔ قرآن تو خود اس سلسلے میں انسان کو چیلنج دیتا ہے: قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ O (34:10)

''(اے نبی ﷺ!) آپ ان سے دریافت فرمائیے تمہارے شرکاء میں کوئی ایسا ہے جو پہلی بار تخلیق کی ابتدا کرے پھر دوبارہ بھی پیدا کرے؟ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی پہلی بار پیدا کرتا ہے پھر وہی دوبارہ بھی پیدا فرمائے گا۔ پھر تم کہاں پھرے جاتے ہو؟''

پھر خالق کائنات پیدا کر کے اس سے غافل نہیں ہو جاتا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:
سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى O الَّذِىْ خَلَقَ فَسَوّٰى O وَ الَّذِىْ قَدَّرَ فَهَدٰى O
(سورۃ الاعلیٰ) ''پاکی بیان کرو اپنے رب کے نام کی جو بہت بلند مرتبے والا ہے۔ اس نے سب کچھ (نہ صرف) پیدا کیا بلکہ اسے بالکل صحیح سالم اور مکمل بنایا۔ اور جس نے (ہر شے کا) اندازہ مقرر کیا، پھر اسے (فطری) ہدایت عطا فرمائی''۔

سورۃ السجدہ میں یہی بات یوں فرمائی گئی: الَّذِىْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَىْءٍ خَلَقَهٗ (آیت 7) ''جس نے ہر چیز جو بنائی خوب بنائی'' (جاری ہے)

# آزادیٔ کشمیر کا خواب پورا ہو کر رہے گا!

## ان شاءاللہ

ابو فیصل محمد منظور انور

یہ بات قابل فخر ہے کہ بیسویں صدی میں 27 ویں رمضان المبارک 1366ھ اور 14/اگست 1947ء کے دن مسلمانوں کے لئے علیحدہ وطن پاکستان کا قیام عمل میں آ گیا مگر عالمی صہیونی مغربی طاقتوں نے یوں ایک آزاد اسلامی مملکت کا وجود اپنے ابلیسی ایجنڈے کے لیے خطرہ کی گھنٹی سمجھا اور لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے برطانوی سازش کو پروان چڑھاتے ہوئے ضلع گرداسپور کو مشرقی پنجاب میں شامل کر کے تنازعہ کشمیر کی بنیاد رکھی تا کہ پاکستان کو داخلی اور مقامی سطح پر اُلجھا کر رکھا جا سکے۔ یہ وہ مسئلہ کشمیر ہے جس کا خمیازہ مظلوم کشمیری آج تک بھگت رہے ہیں حالانکہ تقسیم برصغیر کے وقت ریاستوں کو پاکستان یا ہندوستان کے ساتھ الحاق کرنے یا پھر اپنی آزاد حیثیت کو برقرار رکھنے کا اختیار دیا گیا تھا مگر تقسیم ہند کے فوری بعد بھارت نے عالمی معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے 1947ء میں ہی مسلم اکثریتی ریاست کشمیر سمیت حیدر آباد دکن، جونا گڑھ، مناوَدر اور دیگر مسلمان اکثریتی علاقوں پر طاقت کے بل بوتے پر غیر قانونی قبضہ کر لیا تھا جذبہ حریت سے سرشار کشمیری مسلمانوں اور قبائلیوں نے مل کر جہاد کیا اور وادی کشمیر کا 5 ہزار مربع میل کا علاقہ بھارتی چنگل سے آزاد کرا لیا جہاں آج آزاد کشمیر کی حکومت ہے مگر ابھی تک تقریباً 80 ہزار مربع میل علاقہ گذشتہ 72 سالوں سے بھارت کے غاصبانہ قبضہ میں ہے۔

جب کشمیری مسلمانوں اور قبائلی مسلمان مجاہدین نے مل کر جہاد شروع کیا تو بھارت

جھوٹا واویلا کرتے ہوئے اقوام متحدہ چلا گیا اور اس سے فیصلے کی درخواست کی۔ 30 اکتوبر 1947ء کو ہندوستان کے وزیراعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے لیاقت علی خان کو سرکاری ٹیلیگرام بھیج کر یہ وعدہ کیا تھا کہ ''ہم آپ کو مکمل یقین دہانی کراتے ہیں کہ جیسے ہی امن ہوگا اور حالات بہتر ہوں گے ہم اپنی تمام فوجیں کشمیر سے نکال لیں گے اور اس بات کا فیصلہ رائے شماری کے ذریعے کرایا جائے گا اور کشمیریوں کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے گا کہ وہ پاکستان یا بھارت میں کس کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں۔ میرا اور بھارتی حکومت کا یہ وعدہ صرف پاکستان سے ہی نہیں بلکہ کشمیریوں اور تمام دنیا بھر سے بھی ہے کہ ہم رائے شماری کے نتائج کا پوری ایمانداری اور سپرٹ سے احترام کریں گے''۔ پنڈت نہرو نے یواین او سے رجوع کیا۔ جولائی 1947ء میں یواین او نے ایک پانچ رکنی کمیشن بنایا اس کمیشن کے تحت 13 اگست 1948ء کو دونوں حکومتوں کے مابین تین نکات پر اتفاق ہوا اور سیز فائر ہوگیا تھا مگر تب سے اب تک کوئی نتیجہ سامنے نہیں آیا ہے۔

یوں کشمیر کی آزادی تقسیم ہند کے دوقومی نظریے کی بنیاد پر تقسیم کا نامکمل باب ہے جو برطانوی اور عالمی مقتدر قوتوں کے ذمے فرض ہے۔

یواین او کے ہر آنے والے سیکرٹری جنرل کی میز پر کشمیر کے مستقبل بارے منظور ہونے والی قراردادیں موجود ہوتی ہیں جن میں لکھا ہے کہ سیکرٹری جنرل اقوامِ متحدہ کمیشن کی رائے سے کشمیر میں Plebiscite ایڈمنسٹریٹر مقرر کریں گے جن کی غیر جانبداری، اصول پرستی اور ایمانداری مسلمہ ہوگی اور جسے فریقین کا اعتماد حاصل ہوگا۔ مگر پاکستان اور کشمیری سات عشروں سے انتظار کی سولی پر لٹکے ہوئے ہیں اس لئے کہ عالمی ضمیر مردہ ہو چکا ہے اور منظور شدہ قراردادوں پر عمل درآمد کی نوبت ہی نہیں آئی ہے۔

جنوبی افریقہ کے عظیم لیڈر نیلسن منڈیلا نے ستمبر 1998ء میں ڈربن میں منعقدہ NAM کانفرنس میں اپنی صدارتی تقریر کے دوران بھارتی وزیراعظم اٹل بہاری باجپائی، کیوبن صدر فیڈرل کاسترو اور UN سیکرٹری جنرل کوفی عنان کی موجودگی میں بھارتی وفد کے ڈیسک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ تاریخی جملہ کہا تھا کہ ''کشمیر پر بھارتی قبضہ سراسر ناجائز، غیر منصفانہ اور unsustainable ہے''۔ انہوں نے دنیا کو وارننگ دیتے ہوئے کہا کہ

''اگر جلد ہی کشمیر کا کوئی پرامن تصفیہ نہ کرایا گیا تو یہ گلوبل امن اور علاقائی سلامتی کے لیے سنگین خطرات کا باعث ہوسکتا ہے اور پوری دنیا اس کی لپیٹ میں آجائے گی اور پھر NAM جیسی تنظیمیں بھی بے معنی ہوکر رہ جائیں گی''۔

26 مارچ 2004ء کو برطانیہ کے وزیر خارجہ جیک سٹرا نے پشاور یونیورسٹی کے ایریا سٹڈی سنٹر میں ایک سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا: پاکستان اور انڈیا کے درمیان 1947ء سے جاری مسئلہ کشمیر اگر حل ہو جاتا ہے تو اس سے اسلام اور مغرب کے درمیان غلط فہمی اور نفرتوں کا سلسلہ بھی کم ہوکر ختم ہو جائے گا۔

بھارت کے سابق سیکرٹری اطلاعات و نشریات ایس ایس گل اپنی کتاب "The Dynesty" میں یہ حقیقت تسلیم کرتے ہیں کہ کشمیر پر بھارت کی کمزور پوزیشن نے اسے اخلاقی طور پر سفارتی محاذ پر ختم کر کے رکھ دیا ہے۔

اقوامِ متحدہ نے 1948ء سے 1952ء تک اور بعدازاں کل 22 قراردادیں منظور کیں جس میں کشمیریوں کو ان کے مستقبل کا فیصلہ خود کرنے کے لیے رائے شماری کا حق دیا گیا ہے۔ مگر بھارتی حکومت نے UNO کی قراردادوں کو جوتے کی نوک پر رکھا ہوا ہے اور کشمیریوں پر ظلم وستم روا رکھے ہوئے ہے۔ نریندر مودی کی سرپرستی میں ہندو قوم پرست جماعت راشٹریہ سویم سیویک سنگھ (RSS) کے غنڈوں نے 6 دسمبر 1992ء اجودھیا کی تاریخی بابری مسجد شہید کی۔ فروری 2007ء گجرات میں سمجھوتہ ایکسپریس کو آگ لگا کر 2500 افراد ہلاک کیے گئے، دسمبر 2018ء میں کولہاپور میں 12 مسیحی مار دیے گئے۔ بھارتیہ جنتا پارٹی ہندوتوا کے لئے کام کر رہی ہے مسلمان ہی نہیں دیگر اقلیتوں پر ظلم و بربریت کی انتہا کر کے ان کی نسل کشی کی جارہی ہے۔ 3 جولائی سے وادیٔ کشمیر کو جیل بنا کر نہتے مسلمانوں کا قتل عام کیا جارہا ہے۔ عیدالاضحیٰ کے موقع پر نماز کی ادائیگی اور قربانی کے جانور ذبح کرنے پر پابندی لگادی گئی۔ UNO کے انسانی حقوق کے دفتر سے جاری رپورٹ کے مطابق 1989ء سے لے کر اب تک اڑھائی لاکھ سے زائد کشمیری ہلاک ہوئے ہیں۔ اب بھارتی حکومت نے آئین کے آرٹیکل 370 اور 35 اے کو یکسر تبدیل کر کے دنیا کو یہ پیغام دیا ہے کہ اسے UNO کی قراردادوں کی کوئی پرواہ نہیں ہے ان آرٹیکلز کے

خاتمے کے بعد جموں وکشمیر کی خصوصی حیثیت ختم ہوکر رہ گئی ہے جس کے بعد وادی میں خوف و ہراس کی فضا برقرار ہے۔اس اعلان کے ساتھ ہی مقبوضہ جموں وکشمیر کے عوام کا دنیا سے رابطہ منقطع ہے، وادی میں ہرطرف خاردار تاریں لگی ہیں کسی کو نہیں معلوم کیا ہورہا ہے؟ ٹیلیفون، موبائل نیٹ اور انٹرنیٹ بھی بند ہے۔کشمیر میڈیا سروس کے مطابق سیّد علی گیلانی، یاسین ملک اور میر واعظ عمر فاروق سمیت حریت قیادت پابند سلاسل مسلسل قید و بند کی صوبتیں برداشت کررہے ہیں، کرفیو اور دیگر غیر علانیہ پابندیوں کی وجہ سے اخبارات بھی شائع نہیں ہورہے۔کشمیر کے تمام دس اضلاع میں کرفیو نافذ ہے کسی کو باہر نکلنے کی اجازت نہیں ہے۔اس کے علاوہ میڈیا نمائندوں کو بھی وہاں جانے اور رپورٹنگ کرنے سے منع کردیا گیا ہے۔دوسری جانب کشمیری عوام نے لداخ کو وفاقی علاقہ قرار دینے کے خلاف کارگل میں ہڑتال اور احتجاجی مظاہرے شروع کررکھے ہیں کارگل کی مذہبی اور سیاسی جماعتوں کی جانب سے بھارتی غیر قانونی اقدام کی سخت الفاظ میں مذمت کی جارہی ہے۔چین کی حکومت نے بھی لداخ بارے اپنے تحفظات کا اظہار کیا ہے۔یو این او کے سیکرٹری جنرل، OIC اور دیگر عالمی برادری کی طرف سے بھی بھارتی اقدام پر تشویش کا اظہار کیا جارہا ہے۔پاکستان کا فوری ردعمل سامنے آیا ہے پارلیمنٹ میں مشترکہ قرارداد پاس کرکے بھارت کو پیغام دیا گیا ہے کہ اس کا یہ اقدام عالمی قوانین کی صریحاً خلاف ورزی ہے۔نریندر مودی نے علاقے کو جنگ میں دھکیلنے کی کوشش کی ہے۔ پاکستان اور بھارت دونوں ایٹمی طاقتیں ہیں خدانخواستہ اگر جنگ شروع ہوگئی تو یہ دنیا کے امن کو تباہ کرکے رکھ دے گی۔

پہلی جنگ عظیم کے بعد 28 جون 1919ء میں جب لیگ آف نیشنز کی بنیاد رکھی گئی تھی تو اس وقت روس کے کیمونسٹ رہنما لینن نے اپنے تاریخی جملے میں لیگ آف نیشنز کو ''چوروں کا باورچی خانہ'' کہا تھا۔ان کے الفاظ وقت کے ساتھ صحیح ثابت ہوئے امریکہ اور دیگر بڑی طاقتوں کو ایک ایسے اسٹیج کی ضرورت تھی جس میں وہ اپنی مرضی کے ڈرامے سجا کر کمزور ممالک کو مزید بے دست و پا کرکے اپنی اجارہ داری قائم کرسکیں۔لیگ آف نیشنز کی ناکامی اور دنیا میں وسیع پیمانے پر تباہی اور دوسری جنگ عظیم کے خاتمے کے بعد فروری 1945ء کو سان فرانسسکو میں انجمن اقوام متحدہ 'یو این او' کا قیام عمل میں لایا گیا بظاہر اس کا مقصد دنیا میں قیام امن کی ضمانت کی فراہمی

تھی مگر اس سے در پردہ سامراجی بڑی طاقتوں کی اجارہ داری قائم کرنا مقصود تھا اس ادارے کی تشکیل کے ساتھ ہی پانچ بڑی طاقتوں کو ویٹو پاور کا اختیار دے کر ناانصافی کا آغاز کر دیا گیا گویا کہ یہ دنیا میں غریب اور مفلوک الحال قوموں اور غریب ممالک کے وسائل پر قبضے جمانے کی ابتدا تھی عالمی لٹیرے اس ادارے میں بیٹھ کر دنیا کے وسائل پر قبضہ جمانے کی سازشیں کرتے رہے اور اپنے اپنے مفادات کی نگرانی کرنے لگے۔ رفتہ رفتہ دنیا میں امن وامان قائم کرنے کی اصل غرض وغایت ختم ہوگئی۔ بڑی طاقتوں نے اپنی اجارہ داری قائم کر کے اسے اپنی باندی بنالیا اور من مرضی کے فیصلے صادر کرنے شروع کر دیے۔ نتیجے میں دنیا کا امن وامان تہ وبالا ہوگیا ہے اور اس ادارے کے نام پر بڑی بے دردی کے ساتھ کمزور ممالک کے لاکھوں بے گناہ افراد قتل کئے جارہے ہیں اور ان کے وسائل کی بندر بانٹ کی جارہی ہے احتجاج کرنے والے ممالک کے خلاف عالمی قواعد وضوابط کی خلاف ورزی کا بہانہ تراش کر ان کا قتل عام کیا جارہا ہے۔

72 سال بیت چکے ہیں مسئلہ کشمیر کی قراردادیں بھی یو این او کے سیکرٹری جنرل کی میز کی زینت بنی ہوئی ہیں۔ اگرچہ عالمی سطح پر قیام امن میں یو این او کا کردار کوئی مثالی نہیں رہا ہے پھر بھی پاکستان نے اس عالمی تنظیم میں شامل اقوام عالم سے مسئلہ کشمیر کے منصفانہ حل کے لئے امیدیں وابستہ کر رکھی ہیں۔ OIC نے بھی متعدد قراردادیں منظور کیں مگر بھارت پر کوئی اثر نہیں ہوا بلکہ اس نے چند روز پہلے کشمیریوں کو ملنے والے عالمی حقوق سے بھی محروم کر دیا ہے اور وادی میں قتل عام کا سلسلہ شروع کر دیا ہے۔ وزیراعظم کے منصب پر فائز دنیا کے بدنام زمانہ دہشت گرد بھارتی وزیر اعظم مسٹر مودی کے ہاتھ پہلے گجرات کے ہزاروں بے گناہ مسلمانوں کے خون سے رنگے تھے مگر اس کا اصلی منحوس چہرہ اس وقت بھی دیکھا گیا جب اس نے بنگلہ دیش یاترا کے موقع پر بڑی ڈھٹائی اور دیدہ دلیری کے ساتھ بنگلہ دیشی بھارتی پٹھو وزیراعظم شیخ حسینہ واجد کے ساتھ مملکت پاکستان کو توڑنے کی سازشوں میں شریک ہونے کا اعتراف کیا تھا اس کے بعد ہماری حکومت کی آنکھیں کھل جانا چاہئے تھیں مگر ہمارے اس وقت کے حکمران ہندو کی سازشوں کا ادراک ہی نہ کر سکے۔ نہ جانے ہماری کونسی مجبوری تھی یا ہم کسی مصلحت کا شکار تھے کہ دشمن کو اس کے کالے کرتوت بتانے سے ہی گھبراتے رہے اور چانکیئے کے بیٹے سے دوستی پیار اور تجارت لین دین کی پینگیں بڑھانے

کے لئے بے چین نظر آئے اور دشمن کو کوئی سخت پیغام تک نہ دے سکے۔ کنٹرول لائن پر بلا اشتعال فائرنگ بھارتی خفیہ ایجنسی 'را' ہی کی کارستانی ہے جو ایسے واقعات کے ذریعے کشمیر میں جاری مظالم سے دنیا کی توجہ ہٹانے کے لئے کر رہی ہے۔ بھارتی خفیہ ایجنسی 'را' کے گرفتار جاسوس کلبھوشن کے انکشافات پاکستانی حکمرانوں و عالمی امن کے ٹھیکیداروں کی آنکھیں کھولنے لئے کافی تھے مگر ابھی تک اس دہشت گرد کو کیفر کردار تک نہیں پہنچایا جا سکا ہے۔

مسئلہ کشمیر دراصل دنیا کی بڑی طاقتوں کی منافقت کا نتیجہ ہے اور افسوس ناک امر یہ ہے کہ اس مسئلہ پر بین الاقوامی برادری تو دور کی بات برادر مسلم ممالک سے بھی جس حمایت کی توقع تھی وہ بھی حاصل نہیں ہو سکی مسلم ممالک بھی پاکستانی حکومت کا ساتھ دینے کے لیے تیار نظر نہیں آتے۔ کشمیری عوام آزادی کی جدوجہد جاری رکھے ہوئے ہیں اب تک 5 لاکھ کشمیری شہید ہو چکے ہیں لاکھوں زخمی ہیں قید ہیں لاپتہ ہیں اور ان کی اربوں روپے مالیتی املاک کو نذر آتش کر دیا گیا۔ بھارت کی جانب سے پاکستانی سرحد پر فائرنگ اور گولہ باری کا سلسلہ وقفے وقفے سے جاری ہے پلوامہ کے واقعہ پر بھارت کی جانب سے پاکستان پر مسلسل اور بھرپور الزام تراشیوں کا سلسلہ جاری رہا۔ تحریک انصاف کے رہنما عمران خان صاحب کامیابی کے بعد اپنی پہلی تقریر میں کہہ چکے ہیں بھارت کے ساتھ کشمیر سمیت تمام حل طلب مسائل پر بات چیت کے لئے تیار ہیں جبکہ بھارت کی جانب سے مذاکرات کے حوالے سے کوئی بات سامنے نہیں آئی ہے بلکہ امریکی صدر مسٹر ڈونلڈ ٹرمپ کی طرف سے ثالثی کے کردار پر بھی بھارتی حکمران طبقہ کے انکار نے ان کی سازشوں کی قلعی کھول دیتی ہے دراصل امریکہ، بھارت اور اسرائیل مل کر نہ صرف کشمیر بلکہ پاکستان کے خلاف سازشیں کر کے اس مسئلہ کو دبانا چاہتے ہیں۔ حکومت کو چاہیے کہ گذشتہ حکومتوں کی جانب سے کی جانے والی غلطیوں سے سبق سیکھے۔ کشمیریوں کو حق خودارادیت دلانے کے لئے حکومت کا اقوام متحدہ کا پلیٹ فارم استعمال کرنا بے شک ہماری امن کی کوششوں کا حصہ ہے۔ وادی کشمیر میں تین سال قبل ایک نوجوان برہان الدین وانی کی شہادت کے بعد بھارتی فوج نے طاقت کا ظالمانہ بے دریغ استعمال شروع کر رکھا ہے۔ ممنوعہ پیلٹ گن کے استعمال سے سینکڑوں نوجوان آنکھوں کی بینائی سے محروم ہو چکے ہیں اور ہزاروں شدید زخمی ہیں۔ موجودہ مہذب دنیا کے دور میں ایک

بھارتی وزیر کی طرف سے ایٹمی ہتھیار استعمال کرنے کی دھمکی اور ریاست ہریانہ کے وزیر اعلیٰ کا انتہائی شرمناک بیان سامنے آیا ہے کہ ہندو نوجوان کشمیری خواتین کی عصمت دری (ریپ) کریں۔ یہ بیان ہندوؤں کے اخلاقی دیوالیہ پن کی غمازی کرتا ہے اسے یاد ہونا چاہئے کہ صرف ایک مسلم خاتون کی پکار پر ایک 18 سالہ مسلم نوجوان محمد بن قاسم نے عرب سے آکر سندھ کے ہندو راجہ داہر کی بدمعاشی پر اس کو ناکوں چنے چبوائے اور پھر اس کے پورے اقتدار کا خاتمہ کر دیا تھا۔ تاریخ سے سبق سیکھیں اور اپنے انجام کی فکر کریں۔

کشمیری مسلمان نوجوانوں نے جذبہ آزادی سے سرشار ہو کر تحریک آزادی کو نئے رُخ پر ڈال دیا ہے۔ امید ہو چلی ہے کہ آزادی کی تحریک کامیابی سے ضرور ہمکنار ہوگی اقوامِ عالم بھی مصلحت کوشی کی پالیسیوں کو خیر باد کہہ رہی ہیں دنیا میں آزادی کی تحریکوں کو کامیابیاں مل رہی ہیں وہ دن دور نہیں جب ہمارے کشمیری بھائی آزاد ملک میں رہ رہے ہوں گے۔ قائداعظم مرحوم نے کشمیر کو پاکستان کی شہ رگ قرار دیا تھا جس کے بغیر پاکستان نامکمل ہے تحریک انصاف کی حکومت کو چاہیے کہ وہ بھارت کے ساتھ حل طلب مسائل کو برابری کی بنیاد پر حل کروائے۔ پاکستان کشمیری عوام کی سیاسی، سفارتی اور اخلاقی حمایت جاری رکھے۔ مسلم حکمرانوں، حکومت پاکستان اور اقوام عالم کا فرض ہے کہ وہ مظلوم کشمیریوں کی تحریک آزادی کے لئے دی گئی جانی و مالی قربانیوں کا ادراک کریں۔

پاکستان کو بھارت اور عالمی قوتوں پر دباؤ ڈالنے کے لیے کشمیر کی آزادی تک UNO کے فیصلوں اور پروگراموں سے تمام عملی تعاون SUSPEND کر دینا چاہیے تاکہ عالمی سطح پر اس مسئلہ پر تمام قوموں کا ضمیر جاگے اور کشمیر کے مسلمان آزاد فضا میں سانس لے سکیں۔ بھارت کی اس بے سبب درندگی کی وجہ پاکستان میں اسلام کے مطابق فلاحی جمہوری اسلامی ریاست کے قیام کا عمل میں نہ آنا بھی ہے۔ آج بھی ہم پاکستان کو اس کے قیام کے مقصد کی طرف لے جانے کے لیے کھڑے ہو جائیں تو کشمیر کیا حیدر آباد دکن، جونا گڑھ اور دوسرے علاقے بھی بھارتی تسلط اور غاصبانہ قبضے سے آزاد ہو سکتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

اس سلسلے میں آخری بات بھی لکھ دیتے ہیں کہ احادیث صحیحہ میں (باقی برصفحہ 44)

# تبصرہ وتعارف کتب

تبصرہ نگار: حافظ مختار احمد گوندل

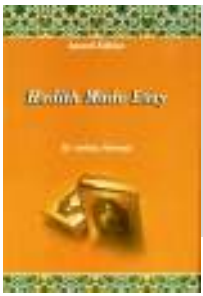

## 1 Hadith Made Easy

تالیف: Dr. Imtiaz Ahmad

ناشر: BCC&T Press University of Karachi

زیر تبصرہ کتاب انگریزی زبان میں فن حدیث کی ایک نصابی کتاب ہے۔ اس میں سات ابواب ہیں: حجیت حدیث، جمع و تدوین حدیث، اقسام حدیث، روایت حدیث، نقد الحدیث، احادیث کے بارے میں مستشرقین کی آراء اور منتخب احادیث۔ اسلامی احکام کے بنیادی ماخذ دو ہیں: ایک قرآن مجید اور دوسرا احادیث یا سنت رسول ﷺ۔ حدیث مبارکہ کی روایت و حفظ کا اہتمام بھی دور نبوی میں ہی صحابہ کرامؓ کا اعزاز ہے۔ پہلی صدی ہجری میں احادیث رسول کے مکتوبات، مسودات، تحریری مواد اور آثار صحابہ کو محفوظ کیا گیا۔ آج تک انہی اصولوں کا تتبع جاری ہے۔ ہمارے دور کی نامور شخصیات جنہوں نے علوم الحدیث پر علمی و تحقیقی کام کر کے مستشرقین کے اعتراضات کا محققانہ جواب دیا ہے، ان میں صاحب تصنیف بھی ہیں۔ موصوف نے اپنا تعلیمی سفر ہمیشہ اول پوزیشن لیتے ہوئے طے کیا ان کا نصف صدی سے زیادہ انتظامی و تدریسی تجربہ ہے اور علم الحدیث نہ صرف ان کا خصوصی تحقیقی موضوع بلکہ انہیں اس پر عبور حاصل ہے۔ زیر تبصرہ ان کی علمی کاوش معیاری طباعت کی حامل اساتذہ وطلبہ کی رہنماء اور کتب خانوں میں ایک قیمتی اضافہ ہے۔ (144 صفحات۔ قیمت: Rs.100)

## 2 جمالِ خطابت



مؤلف: پروفیسر عبدالعزیز پرواز

ناشر: مکتبہ فروغِ فکرِ اقبال، نظام بلاک، اقبال ٹاؤن، لاہور

زیرِ تبصرہ تالیف اوصافِ خطابت اور 60 دل آویز منتخب تقاریر کا خوبصورت گلدستہ ہے۔ ایک مقرر کو دلائل کے ساتھ اپنے مؤقف کو کس انداز سے پیش کرنا ہے اور حاضرین کو اپنی آواز، الفاظ، انداز، تلفظ، حسنِ بیان، لہجہ، حرکات و سکنات اور خزینۂ معلومات سے کیسے مسحور کرنا ہے، خطیبانہ آہنگ اور ادبی محاورات سے سامعین کو حیرتوں کے روزنوں میں کیسے محو کرنا ہے، یہ تمام نکات کتاب ہٰذا میں تفصیلاً بیان کیے گئے ہیں۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے خطیب بولتا نہیں، موتی رولتا ہے۔ تیغ براں کی مانند الفاظ جو شلیے، حرف و صوت کے لپکتے شعلے، بدائع و صنائع کے پُر کیف نثر پارے، خامۂ گلرنگ کے گل پارے، ندرتِ خیال کے دل کشاء جھونکے، بادِ صرصر کے تھپیڑے، جذبات میں دل فریب اشارے اور کنائے، دل پذیر تشبیہات و تلمیحات اور استعارے، برق و رعد کی پکار، شہابِ ثاقب کی بھرمار گویا خطابت شعور و آگہی کا ایک ایسا پتوار ہے جو سامعین کے فکر و خیال کے سفینے ڈبویا نہیں کرتا بلکہ ساحلِ مراد تک لے جایا کرتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ خطابت ایک خداداد صلاحیت ہے۔ یہ وہ فن ہے جو وہبی ہے محض کسبی نہیں۔ یہ ملکہ عطیۂ الٰہی ہے البتہ محنت و ریاضت سے اسے جِلا ملا کرتی ہے۔ یہ کتاب تعلیمی اداروں میں طلباء کی ذہنی نشو و نما، مضمون نویسی، بیت بازی وغیرہ کے لیے معاون اور تعلیمی کتب خانوں کی ضرورت ہے۔

سروری زیبا فقط اُس ذاتِ ﷻ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اِک وہی باقی بُتانِ آزری

# فرمودۂ اقبال

نہ تخت و تاج میں، نے لشکر و سپاہ میں ہے
جو بات مردِ قلندر کی بارگاہ میں ہے!

صنم کدہ ہے جہاں اور مردِ حق ہے خلیلؑ
یہ نکتہ وہ ہے کہ پوشیدہ لا الٰہ میں ہے!

وہی جہاں ہے ترا جس کو تُو کرے پیدا
یہ سنگ و خشت نہیں، جو تری نگاہ میں ہے!

مہ و ستارہ سے آگے مقام ہے جس کا
وہ مشتِ خاک ابھی آوارگانِ راہ میں ہے!

خبر ملی ہے خدایانِ بحر و بر سے مجھے
فرنگ رہگذرِ سیلِ بے پناہ میں ہے!

تلاش اس کی فضاؤں میں کر نصیب اپنا
جہانِ تازہ مری آہِ صبحگاہ میں ہے!

مرے کدو کو غنیمت سمجھ کہ بادۂ ناب
نہ مدرسے میں ہے باقی، نہ خانقاہ میں ہے!

اَلصَّمَدُ لِلّٰہِ

قرآن مجید کی رہنمائی میں
صہیونیت سے روشناسی کے لیے
انجینئر مختار فاروقی
مدیر مسئول حکمت بالغہ
کے قلم سے سلسلہ وار مضامین
حکمت بالغہ
(اگست 2010 تا جولائی 2012ء)
میں شائع ہو چکے ہیں
اور اب یہ مضامین
کتابی صورت میں دستیاب ہیں

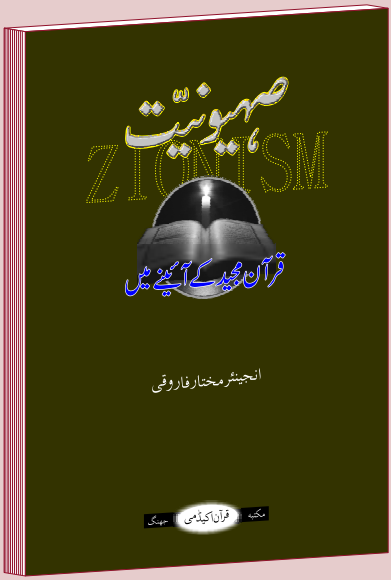


# صہیونیّت
## قرآن مجید کے آئینے میں

- صہیونیت کے خدوخال
- صہیونیت کی قتل انبیاء کی روش اور انکارِ ختم نبوت
- صہیونیت 600 ق م سے 610ء تک
- صہیونیت کا منطقی انجام

● صفحات: 300 ● اعلیٰ جلد ● قیمت: 425 روپے

مکتبہ قرآن اکیڈمی جھنگ

لالہ زار کالونی نمبر 2، ٹوبہ روڈ جھنگ
047-7630861
047-7630863

اِنْ شَآءَ اللّٰہ

ماہنامہ

# حکمتِ بالغہ

جھنگ

کی

سال 2019ء کی خصوصی اشاعت

ماہِ نومبر میں شائع ہوگی

علامہ اقبال علیہ الرحمہ عصرِ حاضر میں دبستانِ علی گڑھ کو قرآن مجید سے متعارف کرانے کی وجہ سے مجدّد کا درجہ رکھتے ہیں۔ آپ انقلاب اسلامی یعنی نظامِ خلافت کے سب سے بڑے اور اوّلین داعی اور مفکّرِ پاکستان بھی ہیں۔ آپ کے ثناخوانوں میں

ڈاکٹر محمد رفیع الدینؒ

(1904ء-1969ء)

اقبال شناسی کا مینار ہیں

عنوان

## ڈاکٹر محمد رفیع الدین کی اقبال شناسی

اہلِ علم اور صاحبانِ قلم و قرطاس و ثناخوانانِ فکرِ اقبال سے قلمی تعاون کی درخواست ہے


انجینئر مختار فاروقی

مدیر ماہنامہ حکمت بالغہ جھنگ



مکتبہ قرآن اکیڈمی جھنگ

لالہ زار کالونی نمبر 2، ٹوبہ روڈ جھنگ

047-7630861

047-7630863